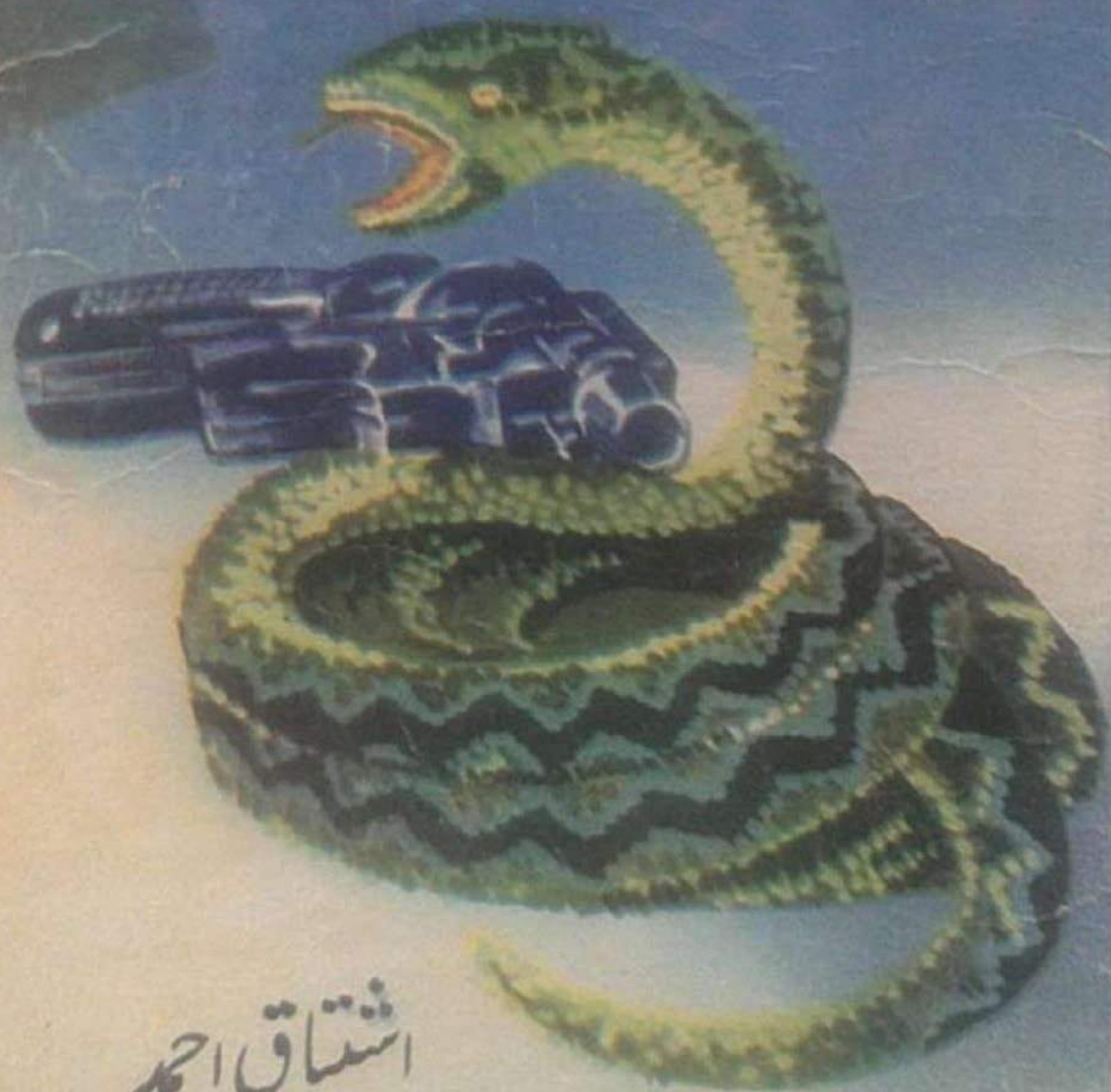
انسانی شکار



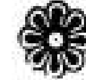
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز (۵۸)

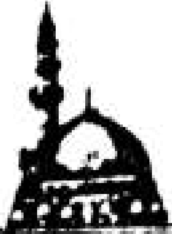
انسانی شکار

اشتیاق احمد

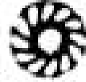


نام ناول — انسانی شکار
طابع — اشتیاق احمد
بار اوّل — یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء
کتابت — محمد سعید نامدار
آرٹسٹ — محمد جاوید چغتائی
مطبع — زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
طباعت سرورق — سپریم پرنٹرز، لاہور
قیمت — چھے روپے
سالانہ قیمت — تین سو روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں — لاہور



حدیث شریف



مرۃ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا اور ان کو بہت قریب بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما ہی رہے تھے کہ ایک شخص سر پر کپڑا ڈالے ادھر سے گزرا — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا، یہ شخص ان ایام میں راہ راست پر ہوگا۔ مرۃ بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سُن کر میں اُٹھا اور اس طرف گیا۔ دیکھا تو وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیا اور پوچھا: کیا یہ شخص ان فتنوں میں راہ راست پر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

(ترمذی، ابنِ ماجہ)



دو باتیں

السلامُ علیکم!

آپ یہ تو جانتے ہی ہیں، ہمارا دین اسلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرما چکے کہ آج کے دن میں نے آپ کے دین کو مکمل کر دیا۔ گویا یہ ہر لحاظ سے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل ہے۔ پوری کائنات کے لیے مکمل ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے ملک کے کچھ طبقے عجیب ذہن رکھتے ہیں۔ چند دن پہلے ایک اخبار میں ایک پریس کانفرنس کا ذکر پڑھا۔ اس پریس کانفرنس میں ایک طبقے کے ایک رہنما کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"اسلام ہمارا دین تو ہے، لیکن ہماری سیاست کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔"

آپ نے الفاظ ملاحظہ فرما لیے، جو لوگ اللہ، اس کے رسول اور دینِ اسلام سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا خون بھی کھول گیا ہوگا، لیکن میرے خیال میں یہ بات خون کھولانے کی نہیں۔ ان کی عقلوں پر مسکرانے کی ہے۔ اور میں نے ایک نتیجہ نکالا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

"سیاست دان سیاست دان تو ہیں، لیکن وہ اسلام کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔"

آپ کا کیا خیال ہے اس خیال کے بارے میں، اور ان لوگوں کے بارے میں۔

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیجیے، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیجیے، پھر ناول پڑھیے — شکریہ!

خلوص:

اشتیاق احمد

بھالی بن

"میرا پروگرام اٹل ہے۔" منوّر علی خان نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"لیکن بھئی — ہمارا اور جنگل کے درندوں کا کیا مقابلہ — ہاں — تم ٹھہرے شکاری — تم ان کے مقابلے پر جاتے اچھے بھی لگتے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بھنّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا — تم لوگوں کو میرے ساتھ شکار پر جانا ہی ہو گا اور اگر زیادہ مخالفت کی تو میں بھالی کو بھی پروگرام میں شامل کر لوں گا۔"

"ارے باپ رے — مجھے تو شیر کی آواز سے ہی ڈر لگتا ہے۔" شہناز بیگم نے کانپ کر کہا۔

"تو پھر ایسا کر لیتے ہیں —" انسپکٹر کامران مرزا نے جملہ مکمل نہیں کیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

انھوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا؛

"آصف! دیکھو کون ہے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ہاں! کامران مرزا، تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں کہہ رہا تھا کہ ـــ"

"ایک منٹ انکل! پہلے میں دروازہ کھول کر دیکھ لوں، پھر آپ بتائیے گا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا بابا۔ جاؤ تم" منور علی خان نے اسے گھورا۔

اور آصف دروازے پر پہنچ گیا۔ جوں ہی دروازہ کھلا، کوئی دھڑام سے اندر کی طرف گرا۔ آصف بوکھلا کر پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ باقی لوگ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور دروازے کی طرف دوڑے ـــ

ان کے سامنے ایک شخص پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس کی کمر میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا اور خنجر کا دستہ سنہری رنگ کا تھا۔ جس پر لالی گروپ لکھا ہوا تھا۔ لالی گروپ کے الفاظ سیاہ حروف میں کندہ کیے ہوئے تھے:

"لالی گروپ" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے اور اس پر جھک گئے۔

وہ جان کنی کی حالت میں تھا۔ چہرے پر حد درجے وحشت کے آثار طاری تھے۔ ادھر آفتاب تیر کی طرح دروازے سے

نکل گیا، لیکن جلد ہی وہ واپس آ گیا۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

"باہر کوئی نہیں ہے۔ قاتل جا چکا ہے۔"

"ہوں! اسے فوراً ہسپتال لے جانا چاہیے۔ اگر یہ کچھ بتا سکا تو ہم قاتل کو بہت جلد گرفتار کر سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایمبولینس کے چکر میں پڑے تو بہت دیر ہو جائے گی۔ ہم اسے کار میں ڈال کر لے چلتے ہیں" آصف نے کہا۔

اسی وقت اس شخص نے آخری ہچکی لی اور جان دے دی۔

"بس بھئی۔ اب ایمبولینس کی بھی ضرورت نہیں رہی" انسپکٹر کامران مرزا بولے اور پھر مقتول کی تلاشی لینے لگے۔ اس کی کمر پر کپڑوں کے نیچے ایک پیٹی کسی ہوئی تھی۔ اس پیٹی میں سنہری دستے والا ایک خنجر اڑسا ہوا تھا اور اس کے دستے پر بھی لالی گروپ لکھا تھا۔

"اوہو۔ یہ تو خود بھی لالی گروپ کا آدمی ہے۔ اور اسے ہلاک کرنے والا بھی لالی گروپ کا آدمی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی؟" فرحت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ ضرور ہمیں لالی گروپ کے بارے میں کچھ بتانے کے

لیے آیا تھا، لیکن ان لوگوں کو خبر ہوگئی اور وہ اس کے تعاقب
میں نکل کھڑے ہوئے اور یہاں تک پہنچ گئے ۔ خنجر کھینچ کر مارا
اور فرار ہوگئے ۔ افسوس !" انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔

" لیکن یہ لالی گروپ کیا بلا ہے ؟"

" ابھی تک ہم نہیں جان سکے ۔ شہر میں دو گروپ اس وقت
آپس میں لڑ رہے ہیں ۔ آئے دن کبھی اس گروپ کا آدمی مُردہ
ملتا ہے ، کبھی اس گروپ کا ۔ لیکن اپنے ہی گروپ کے
کسی آدمی کو ہلاک کرنے کا واقعہ پہلی بار ہوا ہے ۔"

" اور دُوسرے گروپ کا کیا نام ہے ؟"

" دُوسرا گروپ اٹاری گروپ کہلاتا ہے ۔"

" گویا یہ معاملہ پُرانا چلا آرہا ہے ، اس سے میرے
پروگرام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔" منور علی خان نے مسکرا کر
کہا ۔

" لیکن اس لحاظ سے یہ پُرانا نہیں ہے کہ انھوں نے خود
ہی اپنے آدمی کو مارا ہے ۔"

" پھر بھی ۔ لالی گروپ کے بارے میں بھی تو پولیس کے پاس
کوئی ریکارڈ نہیں ہے ۔"

" ہاں ! یہ ٹھیک ہے ۔ ابھی تک ہم ان خنجروں کے سوا
کچھ حاصل نہیں کر سکے ۔ دونوں گروپ اپنے اپنے خنجر استعمال

کرتے ہیں ۔ جیبوں میں سے اور کوئی کام کی چیز نہیں ملتی ۔"

" ہوں ! تو پھر تیاری کریں ۔" منور علی خان بچوں کی طرح
بے چین ہو کر بولے ۔

" پہلے اس لاش کو یہاں سے اٹھوایا جائے گا ، پھر ووٹنگ
ہوگی ۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔

" ٹھیک ہے ۔ مجھے منظور ہے ۔" منور علی خان نے خوش ہو
کر کہا ۔

" لیکن انکل ۔ ووٹ کس کس کے درمیان ڈالے جائیں
گے ۔"

" میرے اور کامران مرزا کے درمیان ۔ اور باقاعدہ ووٹ
ڈالے جائیں گے ۔ زبانی نہیں ۔"

" جی کیا مطلب ؟" وہ چونکے ۔

" بُری بات ۔ آخر ہم ایک لاش کے سرہانے کھڑے ہیں ،
پہلے اسے اٹھ جانے دو ۔"

آخر شاہد اور اس کے ماتحت وہاں پہنچ گئے ۔ اور
لاش اٹھوا دی گئی ۔ خنجر پر سے انگلیوں کے نشانات بھی
نہیں مل سکے تھے ۔

وہ صحن میں آکر بیٹھ گئے ۔

" ہاں تو اب ذرا ووٹ ڈالنے کی تفصیل ہو جائے ۔"

انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اپنی اپنی پرچی پر صرف ہاں یا نہیں لکھا جائے گا، ہاں سے مُراد شکار پر جانا ہوگا، نہیں سے مُراد نہ جانے کی مرضی ہوگی۔"

"لیکن اگر پرچیاں برابر پڑیں تو؟" انسپکٹر کامران مرزا نے اعتراض کیا۔

"اس صورت میں سکّہ اُچھالا جائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ بناؤ بھئی پرچیاں۔"

آصف نے ایک سفید کاغذ لیا اور پرچیاں بنانے لگا۔

"بیگم۔ اس رائے شماری میں تم حصّہ لو گی یا نہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میرے حصّہ لینے کی صورت میں ہی تو برابر برابر ووٹ ملنے کا امکان ہے، کیوں کہ مجھ سمیت یہاں صرف چھے افراد موجود ہیں، اگر میں نے رائے شماری میں حصّہ نہ لیا تو پھر صرف پانچ افراد ووٹ ڈالیں گے اور اس صورت میں برابر برابر ووٹ نہیں مل سکتے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ گویا تم بھی حصّہ لو گی؟"

"جی ہاں! میں تو بہت لُطف محسوس کر رہی ہوں۔"

"بھئی دیکھ لو۔ اگر منور علی خان جیت گئے تو پھر تمھیں

بھی شکار پر جانا پڑے گا اور جس جنگل میں یہ لے جائیں گے وہاں شیر، چیتے، ہاتھی اور گینڈے وغیرہ ضرور ہوں گے۔"

"دیکھو بھئی۔ تم میرے ووٹ کو ورغلانے کی کوشش نہ کرو۔" منور علی خان جلدی سے بولے۔

"لیکن آپ انھیں اپنا ووٹ کس طرح کر سکتے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ آپ بھی تو ان کو اپنا ووٹ خیال نہیں کر سکتے۔"

"اچھا خیر۔ ہم کسی سے بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔ ہر کوئی اپنی مرضی کے مطابق ووٹ دے گا۔ واضح رہے، ہاں والے ووٹ منور علی خان کے ہوں گے اور نہ والے میرے۔ کیوں کہ میں شکار پر جانے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے ابّا جان۔ ہم اچھی طرح سمجھ گئے۔" آفتاب مُسکرایا۔

آصف نے چھے پرچیاں بنائیں اور سب کو ایک ایک دے دی۔ اب سب اُٹھ کر اِدھر اُدھر چلے گئے اور اپنی اپنی پرچی پر ہاں یا نہیں لکھ کر اسے تہ کرکے لے آئے۔

"بس یہاں رکھ دیں پرچیاں۔" منور علی خان پُرجوش انداز

میں بولے۔

"بھئی تم تو اس طرح پُر جوش ہو رہے ہو جیسے یہ ملک کی صدارت کے لیے ووٹ ڈالے گئے ہوں!"

"میرے لیے شکار ہی سب کچھ ہے۔"

اب انھوں نے پرچیاں اُٹھا لیں اور ایک ایک کو کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ چھے کی چھے پرچیاں دیکھنے کے بعد منور علی خان کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے:

"کیوں! ہار گئے کیا انکل؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"ہارنا تو تھا ہی۔ یہاں شکار پر کون جانا پسند کرتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"یہ بات نہیں ہے۔" منور علی خان حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"تو پھر۔ کیا بات ہے؟"

"میں جیت گیا ہوں۔" وہ بولے۔

"ارے۔ اچھا۔ لیکن بھئی۔ حیرت کی اس میں پھر بھی کوئی بات نہیں ہے۔ آخر تم حیران کس بات پر ہو؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"صرف حیرت کی نہیں۔ زبردست حیرت کی بات ہے۔" منور علی خان بولے۔

"کیا مطلب۔ کیا تم صرف معمولی فرق سے جیتے ہو؟" انسپکٹر

کامران مرزا چونکے۔

"یہ بات بھی نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہو۔ آخر پھر بات ہے کیا؟"

"بات۔ بات دراصل یہ ہے کہ کل ووٹ چھے ہیں۔ اور چھے کے چھے ووٹ مجھے ملے ہیں۔ یعنی سب پر 'ہاں' لکھا ہوا ہے۔"

"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اور پھر ان کی نظریں انسپکٹر کامران مرزا پر جم گئیں۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا بیگم کو گھور رہے تھے:

"یہ کیا بیگم۔ تم نے بھی مجھے ووٹ نہیں دیا؟"

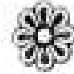
"نن۔ نہیں۔ میں نے سوچا۔ بے چارے بھائی جان منور علی کو کوئی ووٹ نہیں ڈالے گا۔ کم از کم میرا ووٹ تو انھیں مل جائے۔ ایک ان کا اپنا ہو جائے گا۔ انھیں زیادہ افسوس نہیں ہو گا۔"

"اوہ!" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

"لیکن کامران مرزا۔ تم نے اپنا ووٹ مجھے کیوں دے دیا؟"

"م۔ میں نے بھی وہی سوچا تھا۔ جو بیگم نے سوچا۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چھوٹی پارٹی مکمل طور پر تمھارا ساتھ دے گی۔ دھت تیرے کی۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا، لیکن ان کا ہاتھ بیگم کی ران پر لگا اور ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔



"اب سوال یہ ہے کہ ہمیں جانا کہاں ہے؟"

"جنگل کا انتخاب میں کر چکا ہوں۔ بہت دل چسپ جنگل ہے۔" منور علی خان بولے۔

"آپ تو اس طرح کہ رہے ہیں انکل جیسے وہ جنگل نہ ہوا کوئی ناول ہو۔"

"ناول اتنے دل چسپ نہیں ہو سکتے۔" منور علی خان نے مسکرا کر کہا۔

"خیر۔ یہ تو نہ کہیے ابا جان۔" فرحت مسکرائی۔

"کیوں۔ کیوں نہ کہوں۔"

"اس لیے کہ ہمارے ملک میں بعض ناول نگار تو اس قدر دل چسپ لکھتے ہیں کہ ایک بار ان کا ناول اٹھا لو تو ختم کیے بغیر رکھا ہی نہیں جا سکتا۔"

"جنگل میں جب ایک بار تم داخل ہو جاؤ گے تو پھر

ناول سے بھی زیادہ گم ہو جاؤ گے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ اب تیاری شروع کر دینی چاہیے۔"

"یہ پروگرام ہو گا کتنے دن کا۔ مجھے دفتر سے چھٹی بھی تو لینا ہو گی۔"

"دس دن تو لگ ہی جائیں گے۔" منور علی خان مسکرائے۔

"دس دن۔ ارے باپ رے۔" انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

"اس سے کم وقت میں شکار کھیلنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں جا سکتا۔"

"اوہ۔ اچھا خیر۔ میں آئی جی صاحب سے بات کرنے کے لیے جاتا ہوں۔ اللہ کرے وہ مان جائیں۔ آپ تیاری کریں۔"

"وہ اور آپ کی بات نہ مانیں گے۔"

"ایسی باتیں وہ میری نہیں مانتے۔ دوسروں کو چھٹی فوراً دے دیں گے۔ مجھے نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فکر مندانہ انداز میں کہا، پھر منور علی خان کی طرف مڑے:

"ہاں بھئی۔ مجھے یہ بتا دو کہ کس سمت میں جانا ہے۔ کیوں کہ آئی جی صاحب یہ بات ضرور جاننا چاہیں گے۔ تاکہ شہر میں میری ضرورت پڑ جائے تو فوراً بلوا سکیں۔"

"تب تو تم ہرگز نہ بتانا کہ کہاں جانا ہے۔" منور علی خان گھبرا کر بولے۔

"نہیں بھئی ۔ یہ ضروری ہے۔"

"اچھا خیر ۔ ہم بھالی بن جائیں گے۔"

"اوہ ۔ بھالی بن ۔ وہ تو ہمارے ملک کا سب سے خطرناک جنگل ہے۔" وہ چونک اُٹھے۔

"تو کیا ہوا ۔ مزا تو خطرناک جنگل میں ہی آیا کرتا ہے۔"

انسپکٹر کامران مرزا تو چلے گئے اور وہ تیاری میں مصروف ہو گئے ۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ان کی واپسی ہوئی تو ان کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے ۔

جڑی بوٹی

"خیر تو ہے ابّا جان ۔ آپ حیران نظر آ رہے ہیں۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں حیران ہوں۔"

"لیکن کیوں ۔ حیرت کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔"

"وجہ بھی موجود ہے ۔ اور وہ یہ کہ آئی جی صاحب نے بغیر کسی اعتراض کے فوراً میری چھٹی منظور کر لی۔"

"ارے ۔ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

"لیکن میرے لیے حیرت کی زیادہ ہے ۔ آخر انھوں نے مجھے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"تو پھر آپ ان سے وجہ پوچھ لیتے۔"

"میں نے وجہ پوچھی تھی ۔ کہنے لگے ۔ میں تو خود یہ تجویز پیش کرنے والا تھا کہ میں ان دنوں بھالی بن میں جا کر شکار کھیل آؤں۔"

"جی۔ یہ کیا بات ہوئی:" وہ چونک اُٹھے۔

"اسی بات پر تو مجھے حیرت ہے۔ یہ ناحیران ہونے کی بات ہے:" وہ مسکرائے۔

"جی ہاں! حد درجے:" آصف بولا۔

"تب تو معاملہ گڑبڑ ہے:" منور علی خان بڑبڑائے۔

"جی گڑبڑ۔ وہ کیوں؟"

"اگر آئی جی صاحب انھیں اس طرف بھیجنا چاہتے تھے۔ تب وہاں ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔"

"کیوں ابا جان۔ وہاں انھوں نے کسی گڑبڑ کی طرف اشارہ کیا ہے:" آفتاب نے بے چین ہو کر کہا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ وہ مجھے اس طرف کیوں بھیجنا چاہتے ہیں؟"

"اُنھوں نے نہیں بتایا؟"

"نہیں۔ میرے پُوچھنے کے باوجود نہیں بتایا۔"

"واقعی۔ بہت حیرت کی بات ہے۔"

"مجھے تو شکار کا پروگرام غارت ہوتا نظر آتا ہے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"ہاں! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔"

"تب پھر۔ کیا کیا جائے؟"

"مجبوری ہے۔ اب جانا تو ہوگا ہی۔"

"کیوں نہ کسی اور جنگل میں چلے چلیں۔"

"اس کی شاید آئی جی صاحب اجازت نہ دیں۔"

"آپ فون پر بات تو کر کے دیکھ لیں۔"

"ہرگز نہیں۔ یہ بات کس طرح کی جا سکتی ہے۔ جب کہ وہ خود یہ کہہ چکے ہیں کہ مجھے اس طرف بھیجنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔"

"تو پھر اللہ کا نام لیں اور چلیں۔" فرحت نے کندھے اُچکائے۔

"ان حالات میں میں بیگم کو تو ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی رائے دوں گا۔" منور علی خان نے کہا۔

"تاہم۔ اگر آپ مجھے ساتھ لے جانا چاہیں تو شوق سے لے جا سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ اب ہمیں جنگل کے درندوں سے ہی نہیں۔ انسانی درندوں سے بھی نبٹنا ہوگا۔"

"خیر۔ جیسے آپ کی مرضی۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

رات کے ابتدائی حصے میں وہ اپنی کار میں روانہ ہوئے

اور دن نکلنے کے وقت جنگل کے سِرے پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک
بہت بڑا ریسٹ ہاؤس بنایا گیا تھا:

"یہ ریسٹ ہاؤس شکاریوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ شکاری
یہاں آرام کر سکتے ہیں، زخمیوں کے لیے بھی یہ ایک عمدہ جگہ
ہے، مرہم پٹی کا سامان بھی موجود ہے۔" منور علی خان نے گویا عمارت
کا تعارف کرایا۔

"تو کیا ہم بھی یہاں کچھ دیر آرام کریں گے۔"

"ہاں! شکار سے پہلے آرام ضروری ہے۔ آؤ۔"

وُہ کار سے اُتر کر ریسٹ ہاؤس کے دروازے کی طرف
بڑھے۔ اندر داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک چوکیدار آگے بڑھا،
اس کے چہرے پر استقبالیہ مسکراہٹ تھی:

"آئیے صاحبان۔ تشریف لائیے۔"

"کچھ اور لوگ بھی ٹھہرے ہوئے ہیں شاید۔"

"جی۔ صرف دو صاحب ہیں، لیکن وُہ جنگل سے فارغ ہو کر
آئے ہیں اور شہر جائیں گے۔" چوکیدار نے بتایا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ آج کل شکاری بہت کم آ رہے ہیں۔ جب کہ
یہ موسم شکار کا ہے۔" منور علی خان بولے۔

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے۔"

"وجہ کچھ اور ہے۔ کیا مطلب؟"

"یہ جنگل اب حد درجے خطرناک ہو گیا ہے۔ اندر جانے والے
شکاری زندہ واپس نہیں آتے۔"

"اوہ۔ تو کیا ان کی لاشیں ملتی ہیں؟"

"جی نہیں۔ لاشیں بھی نہیں ملتیں۔" اس نے کہا۔

"تب پھر۔"

"دیکھیے نا۔ اگر شکاری زندہ بچیں گے تو واپس آئیں گے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وُہ جنگل ہی جنگل میں کسی اور
طرف نکل جاتے ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں بھئی۔ اس جنگل کے تینوں طرف خوف ناک دلدل ہے،
اس دلدل کو کوئی عبور نہیں کر سکتا۔ شکاری کسی اور سمت میں
نہیں جا سکتے۔ بس واپس آ سکتے ہیں اور واپسی کے لیے ان
کے یہی ایک راستا ہے۔ یعنی ریسٹ ہاؤس والا۔"

"تب تو کیا یہ بات عجیب نہیں ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا کے
لہجے میں حیرت تھی۔

"جی۔ کون سی بات؟"

"یہ دو شکاری زندہ کس طرح باہر آ گئے؟"

"ہاں! اس بات پر مجھے بھی حیرت ہے۔ میں نے ان سے
پُوچھا بھی تھا۔ کہنے لگے۔ انھیں تو اندر کسی خطرے کا سامنا
نہیں کرنا پڑا۔"

"اور یہ لوگ شکار مار کر لائے ہیں کچھ؟"

"نہیں خالی ہاتھ لوٹتے ہیں۔ اپنے سامان کے تھیلے ضرور لے آئے ہیں۔ تشریف لے چلیے۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے اندر کی طرف بڑھے۔ ایک کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے انھوں نے ان دونوں آدمیوں کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہے تھے۔ اور کمرے کے فرش پر لیٹے تھے۔ ان کے تھیلے ان کے سروں کے پاس پڑے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا رک کر ان دونوں کا جائزہ لینے لگے۔ باقیوں کو بھی رکنا پڑا۔

"آئیے صاحب۔ یہاں کیوں رک گئے؟"

چوکیدار کی آواز سن کر ان میں سے ایک کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ساتھی کو جھنجوڑتے ہوئے بولا:

"اٹھو گیری۔ ہم بہت سو لیے۔"

اس کے دوسرے ساتھی نے بھی آنکھیں کھول دیں اور پھر آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ نیند کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا:

"آپ لوگ کون ہیں؟"

"شکاری ہی ہو سکتے ہیں۔"

"اوہ۔ شکاری اور اس جنگل میں شکار کھیلیں گے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں کیوں۔ کیا نہیں کھیل سکتے شکار؟"

"جان سے ہاتھ دھونے کا شوق ہے تو ضرور جنگل کا رخ کریں۔ ورنہ نہیں۔"

"تو کیا آپ کو بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا شوق تھا؟" آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"ہم تو اس جنگل کی شہرت سن کر آ گئے تھے۔ کسی نے ہمیں خطرے سے خبردار نہیں کیا اور ہم اندر داخل ہو گئے، لیکن جوں ہی ہم نے محسوس کیا۔ کہ اندر بہت خطرہ ہے۔ الٹے قدموں واپس آ گئے۔"

"واہ — اچھے شکاری ہیں۔ خطرے سے ڈر گئے۔" منور علی خان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اندر جائیں گے تو پتا چلے گا۔ جنگل میں درندے تو سرے سے ہیں ہی نہیں۔ ہاں بھوت ضرور ادھر ادھر پھرتے نظر آتے ہیں۔"

"ہائیں۔ درندوں کی جگہ بھوتوں نے لے لی۔ یہ کیا۔ اور یہ کیسے ہو گیا؟"

"یہ بات تو بھوت ہی بتا سکتے ہیں۔" گیری نے کہا، پھر

اپنے ساتھی کی طرف مڑا :

" چلو جانی ۔ چلیں "

دونوں نے اپنے اپنے بیگ اٹھائے ، چوکیدار کی ہتھیلی پر دس دس روپے والے چند نوٹ رکھے اور ان کے پاس سے گزرنے لگے ۔ ایسے میں فرحت کو نہ جانے کیا سوجھی ۔ یک دم اپنی ایک ٹانگ آگے کر دی ۔ گیری منہ کے بل گرا ۔ اور پھر جھنا کر پلٹا ۔

" یہ آپ نے کیا کیا ؟ "

" اگر میں ایسا نہ کرتی تو آپ مصیبت میں پھنس گئے تھے " فرحت مسکرائی ۔

" کیا مطلب ؟ "

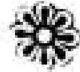
" آپ کے کپڑوں پر نیلے رنگ کا ایک بچھو رینگ رہا تھا ، آپ کے گرتے ہی بچھو فرش پر گر گیا ۔ گویا آپ اس سے بال بال بچ گئے "

" کیوں مذاق کرتی ہیں " گیری نے خوف زدہ انداز میں کہا ۔

" وہ دیکھو ۔ وہ رہا بچھو " فرحت نے انگلی سے فرش کی طرف اشارہ کیا ۔

سب کی نظریں اس طرف گھوم گئیں ۔ فرش پر واقعی ایک

نیلے رنگ کا بچھو رینگ رہا تھا ۔



" ارے واقعی ۔ یہ تو بچھو ہی ہے " جانی کے منہ سے نکلا ۔

" مہربانی فرما کر اسے مار دو جانی " گیری نے کانپ کر کہا ۔

" م ۔ میں مار دوں ۔ تمہیں کیا ہوا "

" مجھے ۔ نیلے بچھو سے بہت ڈر لگتا ہے ۔ اس میں زہر ہی زہر بھرا ہوتا ہے "

" آپ لوگ ۔ نہیں ۔ ہم اسے زندہ پکڑیں گے " منور علی خان مسکرائے ۔

" زندہ پکڑیں گے ۔ کیا کریں گے اس کا " گیری نے حیرت زدہ انداز میں کہا ۔

انسپکٹر کامران مرزا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ۔ اور پھر بولے :

" تم شکاری ہو ۔ نہیں ۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم شکاری نہیں ہو "

" کیا مطلب ؟ "

" شکاری کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ جانوروں ،

کیڑوں مکوڑوں اور درندوں کا کیا کرتے ہیں، لیکن انھیں یہ بات معلوم نہیں۔ اس لیے میرا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں ہرگز شکاری نہیں ہیں۔"

منور علی خان کے یہ الفاظ سُن کر ان کے رنگ اُڑ گئے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن اگر یہ شکاری نہیں ہیں، تو پھر جنگل میں کیا کرنے گئے تھے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"یہ بات ان سے پُوچھو۔" منور علی خان بولے۔

"ہاں بھئی۔ ٹھیک ہے۔ تم بتاؤ۔ کیا تم شکاری ہو؟"

"نہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ہم شکاری نہیں ہیں۔" جانی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔ یہاں کیا کرنے آئے تھے؟"

"ایک جڑی بوٹی کی تلاش میں۔ ہم دراصل حکیم لوگ ہیں۔"

"اوہ۔ حکیم لوگ۔ تب تو ٹھیک ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔ یہ بچھو ضرور جنگل میں سے آپ کے کپڑوں پر چڑھ گیا ہو گا۔ ویسے کیا وہ بھوتوں والی بات درست ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی ہاں! بالکل۔ آپ خود اندر جا کر دیکھ لیں۔"

"اندر جا کر تو ہم خیر دیکھ ہی لیں گے۔ تو آپ بھوتوں کی وجہ سے جڑی بوٹی تلاش نہیں کر سکے؟"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ چلیے۔ جو بھوت بھی آپ کی طرف بڑھے گا، ہم اس کا سر قلم کر دیں گے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا فرمایا۔ سر قلم کر دیں گے؟"

"ہاں! سر قلم کرنا کیا مشکل ہے؟"

"بھوت کا؟" گیری کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بھئی بھوت کا۔ ہم تو نہ جانے کتنے بھوتوں کے سر قلم کر چکے ہیں۔ ان میں کئی تو کئی کئی سروں والے تھے۔" آفتاب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔"

"تو آپ ڈرتے کیوں ہیں؟" آفتاب نے منہ بنایا، پھر چونک کر بولا:

"ارے۔ وہ بچھو کہاں گیا۔ اس کو تو ہم بھول ہی گئے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ میری نظروں سے بچ کر نہیں جا سکتا۔" منور علی خان مسکرائے۔

"جی ہاں! آپ کا اور ان کا چولی دامن کا ساتھ جو ہوا۔"

فرحت مسکرائی۔

"تت۔ تو ہم جائیں جناب؟"

"جا سکتے ہیں، لیکن ایک شرط پر۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا مطلب۔ کیسی شرط؟" دونوں کے منہ سے نکلا۔

"اپنے تھیلوں کی تلاشی دے دیں۔"

"تھیلوں کی تلاشی۔ کیا مطلب؟" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"تھیلوں کی تلاشی کا مطلب تو صرف اور صرف تھیلوں کی تلاشی ہوتا ہے جناب۔ ہم مطلب کس بات کا بتائیں۔"

"لیکن آپ ہمارے تھیلوں کی تلاشی کیوں لینا چاہتے ہیں؟"

"آپ کو ہم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے آپ نے خود کو شکاری کیوں بتایا۔ اور اب حکیم بتا رہے ہیں۔ آخر اس سے ہم کیا سمجھتے؟"

"آپ لوگ کچھ بھی سمجھیں۔ ہیں ہم حکیم لوگ۔"

"تو پھر یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ شکاری ہیں — ہمیں اندر جانے سے روکنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ کی بھلائی کے لیے یہ کہا تھا۔" گیری بولا۔

"شکریہ! ہم بھی آپ کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ اپنے تھیلوں کی تلاشی دے دیں۔"

"ہم قانون سے اس قدر ناواقف نہیں۔ آخر آپ ہمارے تھیلوں کی تلاشی کس قانون کے تحت لینا چاہتے ہیں؟" جانی نے بھنا کر کہا۔

"اگر ان تھیلوں میں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے۔ تو پھر آپ کو اعتراض کیوں ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود آپ تلاشی نہیں لے سکتے۔"

"اور میں کہتا ہوں۔ آپ کو تلاشی دینا ہوگی۔ ورنہ ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے یہاں سے۔" منور علی خان غرائے۔

"اچھی زبردستی ہے۔ خیر۔ ہم تھیلے دکھا دیتے ہیں۔" گیری نے اپنا تھیلا کندھے سے اتارتے ہوئے کہا۔

"کیا کر رہے ہو گیری۔ ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کیوں اپنے تھیلے ان لوگوں کو دکھائیں۔"

"اور ہم کیوں اپنا وقت ضائع کریں۔ دکھا کر اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔" گیری بولا۔

"اچھا۔ جیسے تمہاری مرضی۔ کم از کم میں تو تیار نہ ہوتا۔" جانی نے منہ بنا کر کہا۔

گیری تھیلا فرش پر رکھ چکا تھا۔ اس نے اس میں ہاتھ ڈالا، گویا تھیلے کی چیزیں باہر نکالنا چاہتا تھا۔

"آپ تکلیف نہ کریں۔ ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔" فرحت جلدی سے بولی۔

"ضرور۔ لیجیے پھر۔ آپ خود ہی دیکھ لیجیے۔" گیری مسکرا کر بولا اور اپنا ہاتھ تھیلے سے باہر نکال لیا۔

انھوں نے دیکھا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک عدد ننھا سا پستول تھا۔

دو فائر

"اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔"

گیری سانپ کی سی آواز میں بولا۔ اس کے لہجے نے انھیں چونکا دیا۔

"ہائیں۔ یہ کیا۔ پہلے تم شکاری بنے، پھر حکیم۔ اور اب ڈاکو، یہ کیا بھئی؟" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"جیسا دیس ویسا بھیس۔" جانی نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔ اے۔ تم کہاں کھسک رہے ہو۔ تم بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اور ہمارے دس دس روپے کے نوٹ بھی واپس کر دو۔" اس نے پہلے ان سے اور پھر چوکیدار سے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی آواز سُن کر رک گیا اور خوفزدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"دے دیں بھئی۔ ان کے روپے۔ ہم آپ کو اس سے کئی گنا زیادہ رقم دے دیں گے۔" آصف نے منہ بنایا۔

چوکیدار نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور روپے نکال کر فرش پر گرا دیے۔ جانی نے جلدی سے اُٹھا کر جیب میں ٹھونس لیے۔

"سامنے والی دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔ بلکہ منہ دیوار کی طرف کر لو۔" گیری غرایا۔

"کیا کرنا چاہتے ہو بھئی؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔ مزا آ جائے گا۔"

"چلو اچھا ہی ہے۔ ہم تو خود مزے کو ترس رہے تھے۔" آفتاب نے کہا۔

"میں نے کہا ہے۔ دیوار سے لگ کر۔ دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو جاؤ۔"

"آؤ بھئی چلیں۔ لے لی ہم نے تلاشی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

انسپکٹر کامران مرزا مُڑے، لیکن ان کا پاؤں بُری طرح پھسلا اور وہ دھڑام سے گرے۔ ساتھ ہی ان کے پاؤں کی ٹھوکر گیری کے ہاتھ پر لگی۔ پستول گیری کے ہاتھ سے نکل گیا اور فرش پر دُور تک لڑھکتا چلا گیا۔ جانی نے اس پر چھلانگ

لگائی۔ اس کا ہاتھ پستول کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فرحت نے پستول پر ایک ٹھوکر رسید کر دی اور وہ فرش پر گھسٹتا آصف تک پہنچ گیا، آصف نے جلدی سے اسے اُٹھایا اور بولا:

"تم دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔"

انھوں نے پریشان ہو کر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہاتھ اوپر اُٹھا دیے۔

"اب جو تم نے ہمارے لیے سوچا تھا، وُہی اپنے لیے سمجھ لو۔" آفتاب بولا۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔ البتہ اپنے منہ ہماری طرف ہی رکھو۔" آصف غرایا۔

ادھر انسپکٹر کامران مرزا ان کے تھیلوں کی طرف بڑھے۔ پہلے انھوں نے ایک تھیلا اُلٹا، پھر دُوسرا۔ تھیلوں میں سے عجیب و غریب قسم کی چیزیں فرش پر آ رہیں۔

"یہ کیا چیزیں ہیں انکل؟" فرحت کے مُنہ سے نِکلا۔

ان کی نظریں ان چیزوں پر جم گئیں۔ ان میں لکڑی کے بنے ہوئے دو خوب صورت ڈبے۔ دو چھوٹی چھوٹی سی چٹائیاں، دو ننھی مُنّی بینیں۔ اور ریشم کی ڈوری کے دو چھوٹے گولے موجود تھے۔

"یہ چیزیں ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔"

"ان لکڑی کے ڈبوں کو کھول کر دیکھ لیں۔ سمجھ میں آ جائیں گی۔" گیری نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں انکل۔ آپ ان ڈبوں کو نہ کھولیے گا۔ ان میں ضرور کوئی خطرناک چیز ہے۔" فرحت چلائی۔

"ہاں! گیری کا لہجہ یہی کہہ رہا ہے۔ خیر۔ فکر نہ کرو۔ آؤ گیری۔ تم خود ان ڈبوں کو کھول ڈالو۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرا کر بولے۔

"کیا مطلب؟" گیری چونکا۔

"میں نے کہا ہے۔ ان ڈبوں کو کھولو، ورنہ گولی تمہارے دماغ کے پار ہو گی۔"

"دماغ میں رہ گئی تو بھی کوئی بات نہیں۔ ہم صبر کر لیں گے۔" آفتاب منمنایا۔

گیری وہیں کھڑا رہا۔ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

"تم نے سنا نہیں گیری؟"

"نہیں۔ میں بہرا ہو گیا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ گولی کا دھماکا تمہاری سننے کی قوت واپس لے آئے گا۔" یہ کہہ کر آصف نے اس کے پیروں کے پاس ایک فائر کیا، لیکن پستول سے کوئی گولی

نہ نکلی۔ اور نہ دھماکا ہوا۔ البتہ گیری اور جانی کا قہقہہ ضرور کمرے میں گونج اٹھا:

"اس لیے میں آپ کا حکم نہیں مان رہا تھا۔ سمجھ گئے آپ۔"

"ہاں! سمجھ گئے۔ ادھر دیکھو۔ میرے ہاتھ میں میرا اپنا پستول ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

گیری اور جانی نے ان کی طرف دیکھا۔

"اب ڈبے کھولنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ضرور کھولیں گے، لیکن پھر اعتراض نہ کرنا۔"

"کیسا اعتراض؟"

"کہ ہم نے ڈبے کیوں کھولے۔"

"اوہ! اس میں کیا ہے گیری؟"

"کھلنے پر ہی آپ کو معلوم ہو سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ دیکھا جائے گا۔ چلو۔ کھولو۔"

گیری دیوار کے پاس سے ہٹا اور ان ڈبوں کے پاس آ گیا، انسپکٹر کامران مرزا اسے اور جانی کو پوری طرح اپنی نظروں میں رکھے ہوئے تھے۔

گیری نے ڈبے کا بٹن دبایا اور پھر اچھل کر اس سے دور ہٹ گیا۔ کمانی والا ڈھکنا فوراً اوپر اٹھ گیا اور پھر ان کی چیخیں نکل گئیں۔

ڈبّا نیلے رنگ کے بچھوؤں سے بھرا پڑا تھا، بچھو ڈبّے میں کلبلا رہے تھے، ڈھکنا اوپر اُٹھتے ہی ان میں سے کئی اُچھل کر باہر آ رہے اور پھر تو ڈبّے کے چاروں طرف فرش پر بچھو رینگتے نظر آئے۔ انھوں نے منور علی خان کی گھبرائی ہوئی آواز سُنی :

" دوڑو۔ کہیں یہ ہم تک نہ پہنچ جائیں۔"

انھوں نے کمرے کے باہر کی طرف چھلانگیں لگا دیں — وُہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ کمرے سے نکلنے کے بعد انھوں نے مُڑ کر دیکھا —

اور پھر ساکت رہ گئے —

بچھو اب دروازے کے سامنے پھیل چکے تھے۔ اور ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار ابھی اندر ہی تھا —

" بچائیے۔ مجھے بچائیے۔" وُہ چلّایا۔

" تو تم اندر کیوں رہ گئے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جھنّا کر کہا۔

" مَیں دروازے کی طرف دوڑا ضرور تھا، لیکن آپ سب کے بعد میں۔ اس وقت تک راستا بند ہو چکا تھا۔" چوکیدار نے پریشان ہو کر کہا۔

" اوہ !" ان کے منہ سے نکلا۔

" اب کیا کریں منور علی خان ؟"

" چوکیدار کو بچایا نہیں جا سکتا۔" وُہ بولے۔

" کیا مطلب۔ بچایا نہیں جا سکتا۔ لیکن کیوں ؟" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے پُوچھا۔

" بچانے والا خود مصیبت میں گھر سکتا ہے۔"

" لیکن ہم اپنی آنکھوں سے اسے مَوت کے منہ میں جاتے کیسے دیکھ سکیں گے منور علی خان ؟"

" ہاں ! یہ بھی ہے۔ خیر ٹھہرو۔"

منور علی خان نے یہ کہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور لائٹر نکال کر چوکیدار کی طرف پھینک دیا :

" اسے اُٹھا لو۔ اور آن کر لو۔ جو بچھو بھی نزدیک آئے، اسے شعلہ دکھا دو۔"

" اوہ اچھا۔" اس نے کہا اور جلدی سے لائٹر اُٹھا لیا۔

بچھو ابھی اس سے کچھ فاصلے پر تھے۔ اس نے لائٹر جلا لیا اور اس کا شعلہ ایک بچھو کی طرف کر دیا۔ بچھو پہلے تو رُکا، پھر مُڑ کر بھاگا، لیکن اس کے بعد چُرمُر ہو گیا —

" لیکن ابّا جان۔ کب تک۔ لائٹر سے کب تک کام چلے گا۔" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

" تب پھر۔ تم ہی بتاؤ۔ ہم کیا کر سکتے ہیں ؟"

"دو تین اور لائٹر نکال لیتے ہیں۔"

"نہیں ۔ باورچی خانے میں مٹی کا تیل موجود ہے ۔ اس سے کام چل سکتا ہے۔" چوکیدار جلدی سے بولا۔

"اوہ ہاں ۔ یہ ٹھیک رہے گا۔" منور علی خان بولے اور باورچی خانے کی طرف دوڑ لگا دی ، کیوں کر انھوں نے پہلے بھی اس ریسٹ ہاؤس کو مکمل طور پر دیکھا ہوا تھا ۔ جلد ہی وہ مٹی کے تیل کا ایک کنستر لے آئے ۔ ان کے ہاتھ میں ایک رسی بھی تھی ۔ تیل انھوں نے رسی پر چھڑکا ۔ اور پھر چوکیدار سے بولے :

"ذرا دیر کے لیے لائٹر بجھا دیں ۔ میں رسی پھینکنے لگا ہوں ۔"

"ج ۔ جی اچھا!" اس نے کہا اور لائٹر بجھا دیا ۔ فوراً ہی منور علی خان نے رسی پھینک دی ۔

"اب اس رسی کو اپنے سامنے ایک لائن کی صورت میں فرش پر پھیلا دیں اور اسے آگ دکھا دیں ۔"

"جی بہتر!" اس نے خوش ہو کر کہا ۔ اب اس کے چہرے پر رونق نظر آنے لگی ۔

"یہ لوہے کی سلاخ بھی تھام لیں ۔ اس کے ذریعے سے جلتی ہوئی رسی آگے کی طرف کھسکاتے رہیں ۔ اس طرح بچھو اس

رسی کے دائرے میں آ جائیں گے۔"

"جی اچھا۔"

ترکیب پر عمل شروع ہوا ، وہ آنکھیں پھاڑے اس خوفناک منظر کو دیکھ رہے تھے ۔ بچھو اب آہستہ آہستہ اس کے دائرے میں سمٹ رہے تھے ۔ البتہ ان کے لیے دروازے کی طرف کا راستا خالی تھا ۔ مجبور ہو کر وہ دروازے کی طرف بڑھے ۔ منور علی خان پہلے ہی تیار تھے ۔ انھوں نے دوسری رسی پر تیل چھڑکا اور دروازے کی طرف پھیلا دیا ۔ ساتھ ہی اسے بھی آگ دکھا دی گئی ۔ اب بچھو اس طرف سے بھی ہٹنے پر مجبور ہو گئے ۔ جلد ہی دونوں رسیاں ایک مکمل دائرے کی صورت اختیار کر گئیں ۔ گویا بچھو اب اس دائرے کے قیدی بن چکے تھے ۔

"اب آپ باہر تشریف لے آئیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا ۔

"جی ۔ بہت بہت شکریہ۔" چوکیدار نے کہا اور ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف بڑھنے لگا ۔

"اب ڈرنے کی کیا ضرورت رہ گئی ہے۔" آصف نے منہ بنایا ۔

"ان کی طرف تو دیکھنے سے بھی خوف محسوس ہوتا ہے ،

اس قدر نیلے بچھو میں نے کبھی نہیں دیکھے۔" اس نے کہا۔

"چلیے اللہ کا شکر ادا کیجیے۔ آج تو دیکھ لیے۔" آفتاب نے شوخ آواز میں کہا۔

"جی کیا فرمایا؟" چوکیدار نے حیران ہو کر کہا۔

"بس آپ ان کے فرمانے پر نہ جائیں۔ باہر آ جائیں۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

آخر چوکیدار باہر آ گیا۔ ادھر بچھوؤں کا بُرا حال تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں اس دائرے کے اندر بہت تیزی سے چکر پھیریاں کاٹ رہے تھے، لیکن یہ چکر پھیریاں کاٹنا ان کی کوئی مدد نہیں کر رہا تھا۔ ایسے میں فرحت کے منہ سے نکلا:

"ارے۔ وہ دونوں کہاں گئے؟"

وہ چونک اٹھے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھا، لیکن گیری اور جانی کا کہیں پتا نہ تھا:

"اوہ! ہمیں بچھوؤں کے چکر میں پھنسا کر وہ نکل گئے۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"لیکن وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ کیا خیال ہے۔ ہم ان کی تلاش میں کیوں نہ چلیں۔ ہمارے پاس کار موجود ہے۔ اور ہم نے ان کی کوئی سواری یہاں نہیں

دیکھی۔"

"دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ آؤ۔"

وہ سب دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

"اور۔ اور میں یہاں اکیلا رہوں گا۔ ان کی موجودگی میں۔" انھوں نے چوکیدار کی آواز سنی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم زیادہ دیر نہیں لگائیں گے، اس وقت تک بچھو ویسے ہی جل جائیں گے۔"

"پھر بھی مجھے ڈر لگے گا۔"

"اچھا تو پھر آپ بھی ہمارے ساتھ آ جائیں۔"

"شش۔ شکریہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

وہ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بہت دور نکل آئے، لیکن ان دونوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا، آخر تھک ہار کر واپس آئے تو آگ بجھ چکی تھی۔ تمام بچھو چڑ مر ہو چکے تھے:

"اس موقعے پر اگر میں ایک حدیث شریف سنا دوں تو کیا خیال ہے؟"

"ضرور انکل۔ اس سے اچھی بات کیا ہو گی۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر سنو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ہے کہ کسی بھی جان دار کو زندہ آگ میں نہ جلاؤ، کیوں کہ آگ میں جلانا صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے ؛ تاہم اگر کوئی زہریلا جانور کسی اور طریقے سے قابو میں نہ آئے تو آگ سے کام لیا جا سکتا ہے۔"

"سبحان اللہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اسی وقت انھوں نے دُور کسی جگہ دو فائروں کی آواز سُنی ۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے —

رُوح یا---

انھوں نے چونک کر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا :

"معلوم ہوتا ہے ۔ آج ہمیں شکار کھیلنا نصیب نہیں ہوگا۔" آفتاب بڑ بڑایا ۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" منور علی خان نے منہ بنایا۔

"تم نے ہمیں اپنا ساتھی بنا کر غلطی کی منور علی خان — تم تو جانتے ہی ہو ۔ اِدھر ہم کہیں باہر نکلے ۔ اُدھر کوئی چکر شروع ہوا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے ۔

"م ۔ میرا خیال تھا ۔ آج کوئی چکر شروع نہیں ہوگا۔" منور علی خان ہکلائے ۔

"لیکن آپ کا خیال غلط نکلا۔" فرحت نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ، لیکن اب کیا ہو سکتا ہے ۔ اب تو ہم گھر سے نکل چکے ہیں۔" منور علی خان نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے اس جنگل میں کوئی کھیل کھیلا

جا رہا ہے۔ آخر یہ دونوں کون تھے۔ اور ان کے پاس بچھو کیوں تھے؟

"اس پر غور کرنا ہوگا۔ جنگل میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"تو پھر پہلے صرف غور کر لیں۔ بعد میں جنگل میں داخل ہو جائیں گے۔" آفتاب نے تجویز پیش کی۔

"اور فائروں کی آواز۔" آصف بولا۔

"ٹھہرو۔ پہلے ہوا کا رُخ دیکھنا ہوگا۔"

یہ کہ کر انسپکٹر کامران مرزا باہر نکلے، تھوڑی سی مٹی اُٹھا کر اُچھال دی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

"ہوا جنگل سے اس طرف آ رہی ہے۔ گویا دونوں فائر جنگل میں ہوئے ہیں۔"

"ہم تو ادھر شکار کھیلنے آئے تھے۔ یہاں گولیاں چل رہی ہیں۔ کمال ہے۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فائر درندوں پر کیے گئے ہوں۔"

"درندے یہاں قریب نہیں ملتے۔ بہت زیادہ آگے جانا پڑتا ہے۔" منور علی خان بولے۔

"منور علی خان۔ پہلے تو تم بتاؤ۔ تم اس سے پہلے اس جنگل میں کب شکار کھیلنے آئے تھے؟"

"شاید ایک سال پہلے۔" وہ بولے۔

"اس وقت جنگل میں درندے تھے؟"

"ہاں بالکل! اگر درندے نہ ہوتے تو میں شکار کس چیز کا کرتا۔"

"کوئی اور عجیب بات محسوس کی تھی تم نے؟"

"بالکل نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ جو کچھ ہوا ہے۔ ایک سال کے اندر اندر ہوا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"میری آنکھوں کے سامنے تو ابھی تک بچھو ناچ رہے ہیں۔ وہ ان بچھوؤں کو کہاں لے جانا چاہتے تھے اور کیوں؟" آصف بڑبڑایا۔

"کاش۔ وہ فرار نہ ہوتے، میں ان سے پوچھ کر تمہیں بتا دیتا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"مسٹر چوکیدار۔ آپ کیا کہتے ہیں؟" اچانک انسپکٹر کامران مرزا اس کی طرف مُڑے۔

"جی کیا مطلب۔ میں کیا کہوں۔" وہ چونکا۔

"اس جنگل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ تو دن رات یہاں رہتے ہیں۔ آپ نے تو کوئی اندازہ لگایا ہو گا کہ اس جنگل میں کیا ہو رہا ہے۔"

"میں تو بس ایک بات جانتا ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"چلیے۔ وُہی بتا دیں۔"

"یہ کہ پچھے ماہ سے جو کوئی بھی جنگل میں گیا، واپس نہیں آیا۔"

"اور یہ دونوں؟"

"ہاں! یہ دونوں ضرور زندہ واپس آئے تھے۔ اور اس بات پر میں بہت حیران ہوا تھا۔"

"اور اندر جانے والے لوگوں کو آپ منع بھی کرتے رہے ہوں گے۔"

"ہاں بالکل! لیکن میری کسی نے کبھی نہیں سُنی۔ میری باتوں پر ہنسے اور جنگل میں داخل ہوگئے۔"

"ہوں! گویا آپ اپنی کوئی رائے قائم نہیں کرسکے؟"

"جی نہیں! ہاں ایک بات ضرور عجیب ہے۔"

"اور وُہ کیا؟"

"اب جنگل میں درندوں کی آوازیں سُنائی نہیں دیتیں۔ ہاں بھوتوں اور چڑیلوں کی ہاؤ ہُو ضرور سُننے میں آتی ہے۔"

"اور یہ ہاؤ ہُو سُن کر آپ کو خوف نہیں محسوس ہوتا؟" آصف مُسکرایا۔

"ہوتا ہے جناب۔ بالکل ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"پھر آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"اور کہاں جاؤں۔ مجھے کوئی کام نہیں آتا۔ میرا باپ بھی اس ڈاک بنگلے کی چوکیداری کرتے مرگیا۔ اس کے بعد میں نے یہ جگہ سنبھال لی۔ اب تو یہیں جینا مرنا ہے۔"

"تو کیا آپ کو یہاں کی چوکیداری کی تنخواہ بھی ملتی ہے؟"

"جی نہیں۔ بس۔ شکاری لوگ کچھ دے دیتے ہیں۔ اور اب تو ان بھوتوں کی وجہ سے شکاری بھی کم آنے لگے ہیں، لیکن خیر۔ میرا کون سا اتنا خرچ ہے۔"

"اور کھانے پینے کی چیزیں کہاں سے لاتے ہیں؟"

"نزدیک ہی اس طرف ایک گاؤں ہے۔"

"ویری گڈ۔ تو یہاں ایک عدد گاؤں بھی ہے۔"

"جی ہاں" اس نے کہا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کیوں نہ پہلے ہم اس گاؤں کا ایک چکر لگا لیں۔ شاید جنگل کے بارے میں کسی سے کچھ معلوم ہو جائے۔"

"کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ وقت ضائع کریں گے۔" چوکیدار بولا۔

"ہمارا کون سا وقت آباد ہو رہا ہے۔" آفتاب نے بُرا سا

منہ بنایا۔

"گویا آپ گاؤں جانا چاہتے ہیں۔ شوق سے جائیں۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیوں ابّا جان۔ کیا خیال ہے؟"

"سوچ رہا ہوں۔ کیا کیا جائے۔"

"اللہ کا نام لے کر جنگل میں داخل ہو جائیں۔ دیکھا جائے گا۔" آصف بولا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ واپسی پر گاؤں سے گزرتے چلیں گے۔" انھوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جنگل میں داخل ہونے کے لیے تیار کھڑے تھے:

"ہم نے آپ کا نام نہیں پوچھا اب تک۔" انسپکٹر کامران مرزا نے چوکیدار سے پوچھا۔

"جی۔ میرا نام بھولا ہے۔"

"ہماری کار کا خیال رکھیے گا۔"

"میں تو اب بھی یہی کہوں گا۔ آپ جنگل میں نہ جائیں، آپ کو شکار نام کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔ اگر جنگل میں شکار ہوتا تو ان کی آوازیں بھی سنائی دیتیں۔"

"اب چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ ہمیں جانا ہی ہو گا۔"

منور علی خان بولے۔

"جی ہاں! یہ ہماری پرانی عادت ہے۔" آصف نے منہ بنایا فرحت مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"حیرت ہے۔ تم اور میری بات پر مسکرا رہی ہو۔"

"اور کیا کروں۔ رونا شروع کر دوں۔" اس نے اسے گھورا۔

"اچھا بس۔ اب ہم روانہ ہو رہے ہیں۔ اللہ حافظ مسٹر بھولے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے چوکیدار سے کہا۔

اور پھر وہ جنگل کی طرف بڑھ گئے۔ بھولا ساکت کھڑا انھیں دیکھتا رہا۔ آفتاب، آصف اور فرحت مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھتے رہے:

"تم بار بار کیوں مڑ رہے ہو؟"

"بھولا اب تک وہیں کھڑا ہے اور ہمیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے۔"

"ہوں۔ شاید وہ سوچ رہا ہے کہ ہم اسے اب کبھی نظر نہیں آئیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"حالاں کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ ہے۔ اور کسی کے قبضۂ اختیار میں کچھ نہیں ہے۔"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

"منور علی خان۔ تم پوری طرح ہوشیار ہونا۔" انسپکٹر کامران

مرزا بولے۔

"ہاں کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں۔ لیکن حالات کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہم ہر طرح سے تیار ہوں۔"

جنگل کی حدود شروع ہو گئیں۔ وہ برابر قدم اُٹھاتے رہے، یہاں تک کر بھولا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، پھر ریسٹ ہاؤس کی عمارت بھی غائب ہو گئی۔

اور لمحہ بہ لمحہ جنگل گھنا ہونے لگا۔ اتنا گھنا کہ سُورج کی کرنیں بھی بہت کم زمین تک پہنچ رہی تھیں۔

"اُف مالک۔ رات کو یہاں کیا عالم ہوتا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کانپ کر کہا۔

"رات کے وقت کوئی بڑے سے بڑا شکاری بھی جنگل میں گھوم پھر نہیں سکتا۔" منور علی خان بولے۔

اچانک انھیں ٹھٹک کر رُک جانا پڑا، پھر ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ عین اسی لمحے انھوں نے اپنے پیچھے فرحت کی چیخ سُنی۔ وُہ تھرا کر مُڑے۔ اور دھک سے رہ گئے۔

فرحت ان کے ساتھ نہیں تھی؛

"فرحت۔ تم کہاں ہو؟" منور علی خان پوری قوّت سے چلّائے

لیکن فرحت کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"کامران مرزا۔ میری بچّی۔"

"حوصلہ نہ ہارو منور علی خان۔ ورنہ ہمارے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ اس پورے جنگل پر ان کا قبضہ ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا پُرسکون آواز میں بولے۔

"ل ل۔ لیکن۔ ہمیں پیچھے مُڑ کر دیکھنا تو چاہیے۔"

"اچھا۔ آؤ۔" انھوں نے کہا۔

وُہ واپس پلٹے۔ درختوں کے پیچھے دیکھتے ہوئے کافی دُور تک ہٹ آئے، لیکن فرحت نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

"میرا۔ میرا دِل بیٹھا جا رہا ہے کامران مرزا۔"

"یہ کیا بھئی۔ تم تو شکاری ہو۔ اور شکاریوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔"

"م۔ میں۔ میں کیا کروں۔" وُہ ہکلائے۔

"صبر۔ انکل۔ صبر کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

عین اسی وقت انھوں نے آصف کی چیخ کی آواز سُنی، مُڑ کر دیکھا تو آصف بھی غائب تھا۔

"آصف۔" انسپکٹر کامران مرزا چیخے۔

اُنھوں نے جلدی جلدی چاروں طرف دیکھا۔ آصف بھی
کہیں نظر نہ آیا :

" یہ ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ یہ جنگل ہے یا جادو نگر" آفتاب
نے گھبرا کر کہا۔

" شاید ہم کسی بہت بڑے جال میں پھنس گئے ہیں"

" آصف تم کہاں ہو۔ جواب دو" آفتاب نے گھبرائی ہوئی
آواز میں کہا۔

" ارے ۔ ہم ان دونوں کو تو بھول ہی گئے" انسپکٹر کامران
مرزا کو کچھ خیال آیا اور اس طرف مُڑے ۔ جہاں پہنچ کر وہ ٹھٹک
کر رُک گئے تھے ، لیکن ابھی پوری طرح ان کی توجہ اس
طرف ہوئی ہی تھی کہ انھوں نے آفتاب کی چیخ کی آواز
سُنی ۔ انسپکٹر کامران مرزا بجلی کی سی تیزی سے گھومے ۔ ایک لمحے
کے لیے انھیں آفتاب کی جھلک دکھائی دی ۔ اور پھر آفتاب بھی
غائب ہو گیا ۔

" منور علی خان ۔ یہ ۔ یہ درخت "

" درخت ۔ کیا مطلب " وہ بوکھلا کر بولے ۔

" یہ درخت ہمیں ہڑپ کر رہے ہیں"

" نن نہیں ۔ ایسے درخت میں نے اپنی زندگی میں کسی
جنگل میں نہیں دیکھے ۔ کچھ خونی قسم کے ب ہوتے ضرو

ہیں ۔ لیکن ان کی شاخیں انسان کو جکڑ لیتی ہیں اور انسان
لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود ان کے چنگل سے نہیں
نکل پاتا ۔ یہاں تک کہ سسک سسک کر اور تڑپ تڑپ کر
جان دے دیتا ہے ۔ لیکن نظر تو آتا رہتا ہے ۔ یہاں تو
کوئی نظر ہی نہیں آ رہا" منور علی خان نے نفی میں سر ہلاتے
ہوئے کہا ۔

" مم ۔ میں نے آفتاب کی ایک جھلک دیکھی تھی ۔ وہ اس وقت
اس درخت کے پاس تھا اور یہ درخت اس وقت کسی
دروازے کی طرح کھلا ہوا تھا"

" نن ۔ نہیں ۔ تب پھر یہ اصل درخت نہیں ہیں ۔ ان
میں ضرور کوئی کاری گری لڑائی گئی ہے" منور علی خان نے
ہکلا کر کہا ۔

" اپنا شکاری چاقو نکالو منور علی خان ۔ ہم اس درخت کو
اس جگہ سے چھیل کر دیکھیں گے"

" ٹھیک ہے کامران مرزا ۔ بچوں کے بغیر ہم اس جنگل سے
نکل کر کیا کریں گے ۔ ہم بھی ان کے ساتھ جان دے دیں
گے یا انھیں بھی ساتھ لے کر جائیں گے" منور علی خان نے
کہا ۔ اب وہ ذرا بھی خوف زدہ نظر نہیں آ رہے تھے ۔
انھوں نے چاقو نکال کر انسپکٹر کامران مرزا کو دے دیا ۔ وہ

چاقو لے کر درخت کی طرف مُڑے ہی تھے کہ انھوں نے منور علی خان کی چیخ سُنی۔

انسپکٹر کامران مرزا بلا کی پھرتی سے مُڑے اور دھک سے رہ گئے۔ منور علی خان بھی غائب ہو چکے تھے۔

"لو بھئی۔ منور علی خان تم بھی گئے۔ رہ گیا صرف میں۔ خیر۔ میں دیکھتا ہوں۔ کوئی درخت مجھے کس طرح غائب کرتا ہے۔" انھوں نے تلملاتے ہوئے انداز میں کہا اور پھر اس طرف بڑھے جہاں پہنچ کر وہ ٹھٹک کر رُکے تھے۔ اس جگہ پہنچ کر ان کے قدم رُک گئے۔ آنکھیں ان دونوں لاشوں پر جم گئیں، جو گیری اور جانی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھیں۔

گیری اور جانی کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھیں باہر کو اُبل پڑی تھیں۔ نہ جانے ان دونوں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا تھا۔ بظاہر تو یہ ان کے ہی ساتھی تھے۔

انسپکٹر کامران مرزا نے دونوں کا بغور معائنہ کیا۔ اور پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں پہلے گولی مار کر ختم کیا گیا تھا اور پھر کسی بہت طاقت ور انسان نے ان کی گردنیں توڑی تھیں۔ وہ آگے بڑھے، لیکن درختوں سے بچ کر۔ کسی درخت کے بھی نزدیک نہیں ہو رہے تھے، کیوں کہ اپنے

چار ساتھیوں کا انجام دیکھ چکے تھے۔ انھیں ان کا بھی رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ نہ جانے ان کے ساتھ کیا گزری ہے۔ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ اور اگر زندہ ہیں تو نہ جانے کس حالت میں۔

اچانک انھیں بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی۔ آواز پچھلی طرف سے آئی تھی۔ تیزی سے مُڑے تو سامنے ایک بھوت کھڑا تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ کپڑوں میں ایک بہت لمبا جسم۔ اتنا لمبا جسم دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ اس لیے انھوں نے یہی خیال کیا کہ یہ ضرور کوئی بھوت ووت ہے۔ اس کی آنکھوں کی جگہ لباس میں دو سوراخ تھے۔

"خوش آمدید مسٹر۔ تم اپنے باقی ساتھیوں کی نسبت زیادہ دلیر ہو۔ اس لیے میں تمھاری خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔" بھوت کے منہ سے آواز نکلی۔ آواز میں سرسراہٹ تھی۔

"بہت بہت شکریہ۔ آپ کی تعریف؟"

"میں سلاتارس کی رُوح ہوں۔"

"یہ سلاتارس کون تھا؟"

"یونان کا ایک بادشاہ۔"

"لیکن یونان کے بادشاہ کی رُوح یہاں کیسے آ گئی ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

رُوح نے چند قدم ان کی طرف بڑھائے۔ انسپکٹر کامران مرزا ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے تو رُوح رُک گئی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"تم انسان تو نہیں معلوم ہوتے۔"

رُوح کے منہ سے یہ بات سُن کر انسپکٹر کامران مرزا حیرت زدہ رہ گئے۔

حیرت انگیز منظر

"یہ تم نے کیا بات کہی۔ میں تو سَو فی صد انسان ہوں۔"

"حیرت ہے۔ تم ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہو۔"

"بس کیا بتاؤں۔ خوف زدہ ہونے کی مجھ میں عادت نہیں ہے۔"

"میرا خیال تھا۔ تم خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹو گے اور کسی درخت کا نوالہ بن جاؤ گے۔"

"افسوس تمھارا خیال غلط نکلا۔ اب کیا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اب مجھے اپنے ہاتھوں کے ذریعے تمھیں کسی درخت تک پہنچانا ہوگا۔ تاکہ درخت اپنا کام کر سکیں۔" اس نے کہا۔

"آخر ان درختوں کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ انسانوں کو کیوں ہڑپ کرنے لگ گئے ہیں؟"

"انسان بھی تو درختوں کو چین کا سانس نہیں لینے دیتے۔"

اس نے جواب دیا۔

"تو کیا یہاں کے درخت انسانوں سے انتقام لے رہے ہیں؟"

"ہاں! یہی سمجھ لو۔"

"چلو سمجھ گیا، لیکن۔ تم کون ہو۔ درختوں کے اتنے ہمدرد کہاں سے ٹپک پڑے؟"

"میں۔ میں۔" اس سے جواب نہ بن پڑا۔

"دیکھا۔ کر دیا نہ لاجواب۔"

"ہاں! واقعی۔" اس نے کہا اور چند قدم اور آگے بڑھا۔

"کچھ بھی کر لو۔ میں درخت کا نوالہ نہیں بنوں گا۔"

"مجبوری ہے۔ بننا ہی پڑے گا۔ ورنہ اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچ سکو گے۔"

"میں ان تک دوسرے راستے سے پہنچ جاؤں گا۔" وہ مسکرائے۔

"نہیں۔ راستا مقرر ہے۔"

اتنا کہتے ہی بھوت نے ان پر چھلانگ لگائی۔ وہ تیزی سے ایک طرف ہو گئے، لیکن ایک طرف ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ کہیں کسی درخت سے نہ ٹکرا جائیں۔

"بہت چالاک ہو، لیکن یہ چالاکی زیادہ دیر کام نہیں آ سکے گی۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے تم خود مجھ سے خوف زدہ ہو، اس لیے باتیں بنا بنا کر مجھے چکر میں لے آنا چاہتے ہو۔" وہ بولے اور ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا کہ بھوت جیسے چونکا ہو۔

اس مرتبہ اس نے کچھ کہے بغیر ان پر چھلانگ لگائی۔ وہ بھی جھکائی دے گئے۔ اور پھر جنگل میں چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ گونج اٹھی۔

انھوں نے دیکھا۔ بھوت کے ہاتھ میں ایک لمبے پھل والا چاقو چمک رہا تھا۔

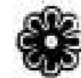
"یہ کیا بھئی۔ بھوت کو چاقو کی کیا ضرورت؟" انسپکٹر کامران مرزا مذاق اڑانے والے انداز میں بولے۔

"ہم۔ میں ذرا ماڈرن قسم کا بھوت ہوں۔"

انسپکٹر کامران مرزا کی ہنسی نکل گئی اور یہی ان کی غلطی تھی۔ اس موقعے سے بھوت نے فائدہ اٹھایا اور اس کے پیر کی ایک زبردست ٹھوکر ان کے پہلو میں لگی، وہ بلا کی رفتار سے ایک درخت سے ٹکرائے۔ ساتھ ہی ان کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔

درخت کسی دروازے کی طرح کھلا تھا اور کسی طاقت نے
انھیں اس دروازے میں کھینچ لیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔
دروازہ بند ہوتے دیکھ کر بھوت نے دونوں ہاتھ جھاڑے
اور ہنس پڑا:

"بڑا بہادر بنا پھرتا تھا۔ اب پتا چلے گا، آٹے دال کے
بھاؤ کا۔" یہ کہ کر وہ مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ان دونوں
لاشوں کی طرف بڑھا۔ ایک ہاتھ میں اس نے ایک لاش
اٹھائی اور دوسرے میں دوسری۔ اور اس طرح قدم اٹھانے
لگا جیسے دونوں ہاتھوں میں دو کھلونے تھامے ہوئے ہوں۔
یہ منظر اگر کوئی دیکھ لیتا تو ضرور چیخیں مار دیتا، لیکن اس
منظر کو دیکھنے والا اس وقت کوئی نہیں تھا۔



تیز ہنسی کی آواز سے آفتاب کی آنکھ کھل گئی۔ اس
نے دیکھا، وہ ایک کمرے کے فرش پر لیٹا تھا۔ اس کے
دائیں بائیں آصف اور فرحت بے ہوش پڑے تھے۔ ذرا
فاصلے پر انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان لیٹے تھے۔
کمرے کے دروازے کے پاس ایک سٹول رکھا تھا۔ اس

سٹول پر ایک نوجوان لڑکی بیٹھی ہنسے جا رہی تھی۔ مارے ہنسی
کے اس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ ہنسی کا عالمی ریکارڈ توڑنے کی
فکر میں ہیں۔" آفتاب نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

اس کی ہنسی میں بریک لگ گیا۔ پہلے تو چونک کر
اس کی طرف دیکھا، پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی:

"کیا کہا۔ ہنسی کا عالمی ریکارڈ؟"

"ہاں!" آفتاب نے منہ بنایا۔

"تت۔ تو ہنسی کا کوئی عالمی ریکارڈ بھی ہوتا ہے؟" اس
کے لہجے میں حیرت تھی۔

"عالمی ریکارڈ تو کسی چیز کا بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کو اتنا
بھی نہیں معلوم۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"ڈیڈی نے کبھی ذکر نہیں کیا۔"

"تو آپ کے ڈیڈی بھی ہیں؟" آفتاب کے لہجے میں حیرت
تھی۔

"کیوں۔ کیا تمھارے ڈیڈی نہیں ہیں؟"

"میرے دراصل ابا جان ہیں۔" آفتاب مسکرایا۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ جانتے ہو۔ اس کی کیا سزا ہے؟"

"بالکل نہیں جانتا۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔ اسی وقت

فرحت کی آواز سُنائی دی :

"آفتاب - کیوں دیواروں سے باتیں کر رہے ہو - ہوش میں آؤ"

"دماغ تو نہیں چل گیا - دیواروں سے باتیں بے وقوف لوگ کیا کرتے ہیں" آفتاب چلّا اُٹھا۔

"یہ کیا بات ہوئی" لڑکی بول اُٹھی۔

"کون سی بات کی طرف اشارہ ہے" آفتاب نے اسے گھورا۔

"یہ کہ دیواروں سے باتیں بے وقوف لوگ کیا کرتے ہیں"

"ہاں! اس لیے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں" اس نے مُسکرا کر کہا۔

"ہائیں - یہاں تو واقعی ایک عدد لڑکی موجود ہے - میں سمجھی تھی - آفتاب کا دماغ چل گیا ہے" فرحت نے چونک کر کہا -

"دماغ چل گیا ہوگا - خود تمہارا" اس نے منہ بنایا۔

"ہل - لیکن ہم ہیں کہاں" فرحت نے گھبرا کر کہا۔

"کمرے میں لیکن مہربانی فرما کر اب یہ نہ پُوچھ بیٹھنا کہ کمرہ کہاں ہے" آفتاب مسکرایا۔

"اچھا نہیں پُوچھتی" فرحت نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"کیا نہیں پُوچھتیں - اور کیوں نہیں پُوچھتیں - کچھ پُوچھو گی

نہیں تو آئے گا کیا - فیل ہو جاؤ گی" آصف کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"لو - چیونٹی کے بھی پَر نکلے" آفتاب نے جل کر کہا۔

"چیونٹی نہیں - چیونٹا" آصف جلدی سے بولا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے - اچھا تو مسٹر چیونٹا"

آفتاب کے الفاظ درمیان میں رہ گئے -

"بھئی منور علی خان - اب ہمیں دخل اندازی کر ہی ڈالنی چاہیے - ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں بھی لڑنا شروع کر دیں اور یہ لوگ ہمیں یہاں سے بھی نکال دیں" انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سُنائی دی -

"یہ لوگ - کون یہ لوگ" منور علی خان حیران ہو کر بولے۔

"بھئی یہی - اپنے آفتاب، آصف اور فرحت - اور کون - ہم تو آپس میں لڑنے سے رہے"

"جی ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے - بڑوں کو تو لڑنا جھگڑنا یُوں بھی منع ہے" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ کیسے کہہ دیا تم نے - کیوں منع ہوتا ہمیں لڑنا - ہاں ہم آپس میں نہیں لڑتے - تم ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے ہو - یہ فرق ضرور ہے" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا -

ایسے میں آفتاب کی نظر اس لڑکی کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ بُت بنی بیٹھی تھی۔

"آپ کو کیا ہوا مس ہنسی"؟ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا نام لیا تم نے میرا"؟ اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"مس ہنسی۔"

"خبردار! میرا نام ڈونا ہے۔"

"ڈونا ہو یا مونا۔ ہمیں اس سے کیا" آفتاب نے منہ بنایا۔

"ہاں۔ ہمیں تو یہ بتائیں۔ آپ حیرت کا بُت کیوں بنی بیٹھی ہیں"؟

"جب کہ ذرا دیر پہلے یہ ہنسی کا بُت بنی بیٹھی تھیں۔"

"کیا بُت بُت لگا رکھی ہے۔ تم لوگ بُتوں کے پجاری تو نہیں ہو" لڑکی چلائی۔

"ہم تو بُتوں کے پجاریوں پر لعنت بھیجنے والوں میں سے ہیں۔"

"لیکن اس زمانے میں بُتوں کے پجاری ملتے ہی کہاں ہیں"؟ ڈونا بولی۔

"یہ تو خیر آپ نہ کہیں۔ بُتوں کے پجاری پہلے بھی تھے۔

اب بھی ہیں۔ بلکہ کچھ لوگ تو قبروں کے پجاری بن کر رہ گئے ہیں۔"

"بات دُور نکل جا رہی ہے۔ ہم مس ڈونا سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ حیران کیوں ہیں"؟

"میں ان کی بات پر حیران تھی۔" اس نے آفتاب کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ۔ تب تو کوئی خاص بات نہیں" فرحت نے منہ بنایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ تب تو کوئی خاص بات نہیں" اس نے اور بھی حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ اس کی باتوں پر تو لوگ حیران ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اوٹ پٹانگ جو ہوتی ہیں۔"

"یہ مجھ پر سراسر الزام ہے۔ آپ اس جملے کی طرف کوئی توجہ نہ دیں۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"اچھا۔ نہیں دیتی۔ میرا کیا جاتا ہے" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"آپ نے یہ بات اب تک نہیں بتائی کہ آپ اس کی کس بات پر حیران ہیں"؟

"ہاں! انھوں نے کہا تھا۔ کہ ہنسی کا عالمی ریکارڈ توڑنا ہے کیا۔ میں حیران اس بات پر ہوں کہ ہنسی کا بھی

عالمی ریکارڈ ہے۔ اور اگر ہے تو ڈیڈی نے اب تک مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا۔ میں ڈیڈی سے جھگڑوں گی اس بات پر۔"

"شوق سے جھگڑ لیجیے گا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن یہ تو بتائیے۔ آپ کے ڈیڈی ہیں کون۔ کیا نام ہے ان کا اور کہاں ہیں۔ ہمیں کیوں نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

"وہ یہاں آئے تھے، لیکن تم لوگوں کو بے ہوش پا کر چلے گئے۔ انھوں نے ہی مجھے اطلاع دی تھی کہ کچھ نئے مہمان آئے ہیں۔ سو میں تم لوگوں سے ملنے چلی آئی۔ اور تم لوگوں کو اُلٹ پلٹ پڑے دیکھ کر ہنسنے لگی۔" وہ بتاتی چلی گئی۔

"تو یہ وجہ تھی۔ آپ کی ہنسی کی۔ حد ہو گئی۔" آصف نے منہ بنایا۔

"اس میں حد کی کیا بات ہے۔" لڑکی کے منہ سے نکلا۔

"پتا نہیں۔ ہر بات کا تو ہمیں بھی پتا نہیں۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔

"لیجیے۔ ڈیڈی آ گئے۔"

ان کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ دروازہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ ایک سڈول جسم کا آدمی اندر داخل ہوا، اس کا قد درمیانہ تھا۔ آنکھیں گول گول تھیں۔ مضبوط ہاتھ پیر

کا دکھائی دیتا تھا:

"ڈیڈی۔ جائیے۔ میں آپ سے نہیں بولتی۔"

"ہائیں۔ کیا ہوا۔ خیر تو ہے؟" آنے والے نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ نے آج تک مجھے نہیں بتایا۔ کہ ہنسی کا بھی عالمی ریکارڈ ہے۔"

"ہنسی کا عالمی ریکارڈ۔ میں سمجھا نہیں۔" آنے والے نے کہا۔

"لیجیے۔ آپ سمجھے نہیں۔ اتنے تو آپ سمجھ دار ہیں اور اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھے۔ کیا دُنیا میں اور مقابلوں کی طرح ہنسی کے مقابلے ہوتے ہیں۔"

"نہیں تو۔" اس نے فوراً کہا۔

"کیوں مسٹر۔ تم تو کہ رہے تھے۔ کہ۔" ڈونا آفتاب کی طرف مُڑی۔۔

"اور میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ اخبارات کی فائل سے میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں۔" آفتاب نے جتا کر کہا۔

"کیوں ڈیڈی۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ہو سکتا ہے بے بی۔ ایسا مقابلہ ہوتا ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"ہاں! یہ آپ کہ سکتے ہیں۔ خیر۔"

"تم نئے مہمانوں سے مل چکی ہو بے بی؟"

"ہاں ڈیڈی۔ یہ لوگ بہت دل چسپ ہیں۔ ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔"

"تو پھر اب جا کر اپنا سبق یاد کرو۔ اچھے بچے ہر کام وقت پر کرتے ہیں۔ یہ تمھارا پڑھائی کا وقت ہے۔"

"بہت بہتر ڈیڈی، لیکن میں شام کو پھر ان سے باتیں کروں گی۔"

"ہاں ضرور۔ ابھی چند دن یہ یہیں رہیں گے۔ فکر نہ کرو۔"

"گڈ ڈیڈی۔" یہ کہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ان سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

اب آنے والے نے فکر مندانہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا:

"تم لوگ اُٹھنے کے قابل ہو گئے ہو یا نہیں؟"

"ابھی تک تو نہیں اٹھا گیا۔ آخر ہم میں اُٹھنے کی طاقت کیوں نہیں ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اس دوا کا اثر ہے۔ جس کے ذریعے تم لوگوں کو بے ہوش کیا گیا تھا۔ یہاں تک لانے کے لیے بے ہوش کرنا ضروری تھا۔"

"کیوں۔ ضروری کیوں تھا؟" آصف بولا۔

"تاکہ تم یہ نہ جان سکو کہ جنگل میں کہاں اور کس جگہ موجود ہو۔"

"پہلے یہ تو ہو گیا۔ اب یہ بھی بتا دیں۔ یہ سب چکر کیا ہے۔ ہم تو جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے۔ ہمیں کیوں شکار کر لیا گیا ہے؟"

"اس لیے کہ اس جنگل پر اب ہمارا قبضہ ہو چکا ہے۔ تمام درندے ہار مان کر یہاں سے فرار ہو چکے ہیں۔"

"اور نیلے بچھو؟" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

آنے والے کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اس نے حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھا اور غرّایا:

"تم کون ہو؟"

"پہلے تم تو اپنا تعارف کرا دو۔"

"ہاں! میں پروفیسر جاکڑا ہوں۔ سمجھے۔"

"سمجھ گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا سمجھ گئے؟" اس نے غصے میں آکر کہا۔

"یہ کہ تم پروفیسر جاکڑا ہو۔ اس کے علاوہ بھلا ہم کیا سمجھ سکتے ہیں، جب تک کہ آپ کچھ بتائیں نا۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

"میں انسپکٹر کامران مرزا ہوں۔ یہ منور علی خان میرے دوست ہیں، دنیا کے مشہور شکاری۔ اور یہ آفتاب، آصف اور

فرحت ہیں۔ اور کچھ؟"

"مجھے بھی یہی ڈر تھا۔ کہ کہیں یہ تم لوگ تو نہیں ہو"۔ وہ بڑبڑایا۔

"کیا مطلب؟" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

"تمہارا ذکر بہت سننے میں آیا ہے۔ کچھ قریبی دوستوں نے یہ بھی کہا تھا کہ بس تم سے دُور دُور رہوں۔ اور مَیں دُور ہی رہا۔ لیکن تم تو خود میرے نزدیک آگئے ہو۔ اس میں تو میرا قصور نہیں"۔

"آخر تم ایسا کیا کام کرتے ہو۔ کہ مجھ سے دُور رہنے کی ضرورت پیش آئے؟"

"میرے کام کے بارے میں تم اندازہ نہیں لگا سکو گے، لیکن اس کے باوجود میں تم لوگوں کو رہا نہیں کر سکتا — کیوں کہ اس صورت میں تم لوگ پھر جنگل کا رُخ کرو گے۔ یہ تو ہوگا نہیں کہ چُپ چاپ بیٹھ جاؤ"۔ پروفیسر بھاکڑا بولا۔

"ہمارے بارے میں آپ کا یہ اندازہ بالکل درست ہے۔ ہم چُپ چاپ بیٹھ جانے والوں میں سے نہیں ہیں"۔ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"لہٰذا تم لوگوں کو چند دن مہمان رکھ کر دُوسری دُنیا کے سفر پر روانہ کر دیا جائے گا"۔

"چند دن مہمان رکھنے کی بھی کیا ضرورت ہے"۔ آصف نے منہ بنایا۔

"بے بی کی وجہ سے مجبور ہوں۔ اسے لوگوں سے ملنے اور باتیں کرنے کا بہت شوق ہے۔ اور مَیں جہاں رہتا ہوں۔ لوگوں سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ملازم لوگوں کو تو میں بے بی کے پاس نہیں آنے دیتا۔ لہٰذا اس کے شوق کی خاطر۔ تم لوگ چند دن اور جی لو"۔

"تب تو۔ ہمیں مس ڈونا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ ان کی وجہ سے ہمیں چند دن اور دیئے جا رہے ہیں"۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ بات نہیں آفتاب۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ لکھا جا چکا ہے۔ موت اپنے وقت پر آئے گی۔ یہ مہلت دیں یا نہ دیں"۔ آصف نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! یہ ہمارا ایمان ہے"۔ اس نے سر ہلایا۔

"البتّہ پروفیسر بھاکڑا سے ہمارا ایک مطالبہ ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! کہیے۔ میں سن رہا ہوں"۔ بھاکڑا بولا۔

"صرف ہمیں یہ بتا دیں کہ آپ اس جنگل میں کر کیا رہے ہیں؟"

"افسوس! یہ نہیں بتایا جا سکتا" اس نے کہا۔

"اور یہ معلوم کیے بغیر ہم مرنا پسند نہیں کریں گے" فرحت مسکرائی۔

"کوشش کر گزرو۔ میں تمھیں روکوں گا نہیں"

"کیا خاک کوشش کریں۔ ہم ہل جل تو سکتے نہیں" آصف نے بھنا کر کہا۔

"ایک گھنٹے تک ہلنے جلنے کے قابل ہو جاؤ گے" پروفیسر بھاکرا نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا۔ اس کے بعد ہم اس عمارت میں چل پھر بھی سکیں گے؟" آفتاب بولا۔

"ہاں! ڈونا تمھیں سیر کرائے گی۔ اس کا دل بھی بہلے گا۔"

"شکریہ!" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"شاید تم یہ خیال کر رہے ہو کہ اس موقعے سے فائدہ اُٹھا کر کوئی کام کر گزرو گے۔ لیکن یہ خام خیالی ہے۔ تم لوگ یہاں گھومتے پھرتے وقت بہت بے بسی محسوس کرو گے۔ اس کا تجربہ تمھیں کمرے سے نکلتے ہی ہو جائے گا۔"

"پتا نہیں کمرے سے نکلتے ہی کیا ہو گا۔ آپ ہمیں اس وقت ہی بتا دیں"

"نہیں! یہ میری عادت نہیں" اس نے کہا اور سر کو جھٹک

کر کمرے سے نکل گیا۔ اسی وقت ڈونا اندر داخل ہوئی۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کی ہتھیلی پر ایک نیلا بچھو موجود تھا۔ اور وہ اس کے ڈنک کو بار بار انگلی سے چھو رہی تھی۔ بچھو کبھی اِدھر ہوتا کبھی اُدھر۔ لیکن وہ ہتھیلی سے نہیں اُتر رہا تھا۔

انھوں نے اپنی زندگی میں اتنا حیرت انگیز منظر شاید ہی کبھی دیکھا ہو گا۔

خ---خو

"ہیلو مہمانو۔ حیران کیوں ہو؟" اس نے شوخ انداز میں سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اور کیا کریں۔ آپ بتا دیں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔ سیر کرا دوں یہاں کی۔"

"لیکن ابھی ہم اٹھنے کے قابل کہاں ہیں؟"

"ڈیڈی میں یہ بہت بری عادت ہے۔ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی کوئی تک بھی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"یہ بچھو پالتو ہے کیا؟" آفتاب نے جلے کٹے انداز میں پوچھا۔

"پالتو بچھو۔ بھئی واہ۔ اچھا خیال ہے، لیکن افسوس۔ ہمارے ہاں کوئی بچھو پالتو نہیں ہے۔"

"تو پھر۔ یہ آپ کو کاٹ کیوں نہیں رہا؟"

"ادھر اس نے مجھے کاٹا۔ ادھر یہ مرا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"میرے جسم میں بچھو کا زہر موجود ہے۔ زہر سے زہر [illegible]تے ہی بچھو مر جائے گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انسان کے جسم میں بچھو کا زہر۔"

"ہاں! ڈیڈی ایسے تجربات کے ماہر ہیں۔ ان کے جسم میں سانپ کا زہر موجود ہے۔ کسی سانپ سے انھیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"آخر یہ تجربہ کس طرح کیا گیا ہوگا؟"

"بہت تھوڑی مقدار میں زہر کی خوراک شروع کی جاتی ہے، ایک مدت تک یہ عمل جاری رکھا جاتا ہے، پھر زہر کی مقدار ذرا سی بڑھا دی جاتی ہے۔ اس طرح مقدار بڑھتی رہتی ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن ایسے تجربات کس لیے کیے جاتے ہیں؟"

"ڈیڈی کو ایسے تجربات کا جنون ہے۔ اس کی وجہ وہ کچھ نہیں بتاتے۔ نہ میں بتا سکتی ہوں۔"

"پھر بھی۔ کوئی وجہ خود آپ کی سمجھ میں تو آتی ہی ہو گی۔"

"صرف ایک۔ اور وہ یہ کہ ڈیڈی سانپ اور بچھو پکڑتے رہتے ہیں۔ پکڑ کر وہ ان کا کیا کرتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم"

"یہ بات ظاہر ہے کہ پکڑتے ہیں۔ اب پچھوں کہ میرے اور ان
کے جسم میں زہر موجود ہے۔ لہٰذا ہمیں ان سے کوئی خطرہ
نہیں۔ ہم آزادانہ ان کو پکڑ لیتے ہیں۔"

"کہاں سے پکڑ لیتے ہیں۔ جنگل کے تو تمام درندے اور
کیڑے مکوڑے بھگا دیے گئے ہیں۔"

"جنگل کے تمام بچھوؤں اور سانپوں کو پہلے ایک جگہ جمع
کر لیا گیا تھا، پھر ان کے گرد ایسی دیواریں بنائی گئیں کہ
وہ ان دیواروں کو پھلانگ نہ سکیں۔ اس کے بعد درندوں
وغیرہ سے جنگل کو پاک کیا گیا۔ گویا سانپ اور بچھو جنگل میں
رہ گئے۔ باقی سب جانور بھاگ نکلے۔"

"اوہ۔ انتہائی سنسنی خیز۔" منور علی خان بھونچکے رہ گئے۔

"تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جنگل کو جنگل کے
جانوروں سے صرف اس لیے خالی کرایا گیا ہے کہ سانپ اور
بچھو آسانی سے پکڑے جا سکیں۔" آصف بولا۔

"نہیں۔ صرف یہ بات نہیں ہو سکتی۔ خالی اس لیے کرایا
گیا ہے کہ اب یہ لوگ آزادانہ جنگل میں رہ رہے ہیں، کوئی
ان کو پوچھنے والا نہیں، روکنے والا نہیں، ٹوکنے والا نہیں۔
جنگل کو بھوتوں کے ذریعے پہلے ہی آسیب زدہ کر دیا گیا ہے،
اس وجہ سے شکاری لوگ اب جنگل سے دور رہنے لگے ہیں۔

اور اگر کوئی شکاری اندر آ جاتا ہے تو وہ ہماری طرح ان
کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ چند دن تک ان پھنسنے
والوں سے ڈونا دل بہلاتی ہے اور پھر ان کو موت کے
گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سنجیدگی
اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن صرف سانپوں اور بچھوؤں کے لیے۔ آخر اتنے
سانپوں اور بچھوؤں کا یہ کیا کرتے ہیں؟"

"یہ ہمیں معلوم کرنا ہے۔ ارے۔ ان دو آدمیوں کو تو ہم
بھول ہی گئے۔" فرحت چونکی۔

"ہاں! وہ بہت سے بچھو لے کر جنگل سے نکلے تھے۔ اوہ!
منور علی خان نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئے شاید؟" فرحت نے ان کی
طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

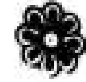
"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔ میں جان گیا ہوں کہ یہ لوگ
سانپوں اور بچھوؤں کا کیا کرتے ہیں۔" وہ تھر تھر کانپتی آواز
میں بولے۔

"کیا کرتے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

"خ۔ خو۔" منور علی خان ہکلا کر رہ گئے۔

ساتھ ہی ڈونا کو نہ جانے کیا ہوا، اس نے ایک زوردار

چیخ ماری اور گر کر تڑپنے لگی۔



وہ منور علی خان کے بچے۔ خو کو بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ارے ارے۔ آپ کو کیا ہوا بھئی۔ ہم لوگ تو آپس کی باتیں کر رہے ہیں۔" آفتاب نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

ڈونا کا تڑپنا نہ رکا۔ چیخیں بھی اسی رفتار سے جاری رہیں، پھر اس کے منہ سے نکلا:

"ڈیڈی۔ آپ کہاں ہیں ڈیڈی۔ میں مری۔"

"آپ۔ آپ کس خوشی میں مر رہی ہیں محترمہ" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"یار تم تو چپ رہو۔" آصف نے جل بھن کر کہا۔

"اگر میرے خاموش رہنے سے ان کا تڑپنا رک سکتا ہے تو میں خاموش ہو جاتا ہوں۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی، پھر پروفیسر بھاکڑا اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، تاہم اس نے منہ سے کچھ کہے بغیر ڈونا کا جائزہ لیا اور پھر جلدی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ننھے سے بیگ میں سے کوئی چیز نکال کر تڑپتی ڈونا کے منہ میں ڈال دی۔ ڈونا جلدی سے اس چیز کو نگل گئی۔

ایک منٹ بعد ہی اس میں تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے۔ تڑپنا اور چیخنا چلانا رک گیا، پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شکریہ ڈیڈی! اب میں ٹھیک ہوں۔"

"تم میں سے کس نے شرارت کی تھی؟" پروفیسر بھاکڑا ان کی طرف مڑا۔

"ج۔ جی۔ شرارت۔ اور ہم میں سے۔ کسی نے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"جس نے شرارت کی ہے۔ اسے معلوم ہے۔ دوسروں کو نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"بتا دو بھئی۔ کس نے شرارت کی ہے؟" انسپکٹر کامران مڑا ان سے بولے۔

"میں نے انکل۔" فرحت نے مسکرا کر کہا۔

"تت۔ تم نے۔ لیکن تم نے کیا کیا تھا؟" منور علی خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے ایک پن اس کی کلائی میں چبھو دی تھی۔ صرف

یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کے جسم میں سے کیسا خون نکلتا ہے۔"

"اوہ۔ تو پھر؟"

"خ۔ خو۔ خون نیلا تھا۔"

"خون نیلا تھا؟" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہوئی کہ صرف ایک پن کے چبھنے سے ڈونا کو اس قدر تکلیف کیوں ہوئی؟"

"خون میں زہر کی موجودگی کی وجہ سے۔" جاکڑا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ!"

"دیکھیے جناب۔ ہم جتنے دن بھی آپ کو اپنے ہاں رکھنا چاہتے ہیں۔ مہمانوں کی طرح رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے شرارتیں اور تجربات شروع کر دیے تو پھر مہمان نوازی کے لمحات ختم بھی کیے جا سکتے ہیں۔" اس نے گویا دھمکی دی۔

"اچھی بات ہے۔" فرحت بولی۔

"بے بی۔ تم ان کے ساتھ سیر کو نہیں گئیں؟"

"یہ لوگ باتوں میں اُلجھ گئے تھے۔"

"تو پھر اب لے جاؤ۔ انھیں ہر جگہ کی سیر کراؤ۔ تاکہ تمھارا دل بھی بہل جائے۔ صرف تمھاری وجہ سے میں ان لوگوں کو زندہ رکھنے پر مجبور ہوں۔ ورنہ میں تو فوری طو

پر انھیں موت کے گھاٹ اُتار دینے کے حق میں ہوں۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"نہیں ڈیڈی! ایسا نہ کیجیے گا۔ یہ بہت مزے دار لوگ ہیں۔ ان کی باتیں بہت مزے دار ہیں۔ میں تو ان کی زندگی کے کچھ اور دن آپ سے مانگنے کی کوشش کروں گی۔"

"اگر یہ سیدھے رہے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" جاکڑا بولا۔

"پروفیسر۔ آپ اتنے سانپوں اور بچھوؤں کا کیا کرتے ہیں؟"

"اچار ڈالتا ہوں۔ بس سُن لیا میرا جواب۔ اس سے بہتر جواب میں آپ کو نہیں دے سکتا۔"

"شکریہ۔ اچار ہی کافی ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

پروفیسر جاکڑا ایڑیوں پر گھوم گیا اور تیز تیز چلتا کمرے سے نکل گیا۔

"مجھے معاف کر دیں پیاری ڈونا۔" فرحت نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"لیکن آپ کو یہ سوجھی کیا؟"

"دیکھنا چاہتی تھی کہ زہر نے آپ کے خون پر کیا اثر کیا ہے۔"

"منور علی خان۔ تم کسی نتیجے پر پہنچنے کی بات کر رہے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے گویا یاد دلایا۔

"ہاں ! میرا خیال ہے ۔ ان سانپوں اور بچھوؤں کے خون سے کوئی دوا تیار کی جا رہی ہے۔"

"لیکن یہ صرف ایک خیال ہی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں ! اس کے علاوہ کوئی اور امکان بھی تو نظر نہیں آتا۔"

"بے بی ۔ کیا تم نہیں بتا سکتیں۔"

"ڈیڈی مجھے ایسی باتیں نہیں بتاتے۔"

"اب میر کے بارے میں کیا پروگرام ہے ؟"

"ایک منٹ ۔ پہلے میں ان سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔" اس نے فرحت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ؟"

"وہ پن آپ نے کہاں سے لی تھی ؟"

"اوہ ۔ پن ۔ کیوں کیا بات ہے ؟"

"اس گھر میں کوئی نوک دار چیز نہیں رکھی جاتی ۔ یہاں تک کہ باورچی خانے میں بھی نہیں ۔ پھل اور سبزیاں گھر سے باہر کاٹی یا صاف کی جاتی ہیں۔"

"وہ پن میرے پاس موجود تھی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ بے ہوش کرنے کے بعد پہلے تلاشی لی جاتی ہے اور پھر اندر داخل کیا جاتا ہے۔"

"تب پھر ۔ یہ تلاشی لینے والے کی غلطی ہو گی۔" فرحت

نے کہا۔

"تو پن کہاں تھی ؟"

"میری قمیض کے کالر کے نچلے حصے میں لگی ہوئی تھی ۔ بے چارہ تلاشی لینے والا اسے دیکھ بھی کس طرح سکتا تھا۔"

"وہ دیکھ سکتا تھا یا نہیں ۔ اسے سزا ضرور دی جائے گی ۔ آئیے میرے ساتھ۔"

یہ کہ کر ڈونا دروازے کی طرف چل پڑی ۔ انھوں نے بھی قدم اٹھا دیے ۔ دروازے کے باہر چار مسلح آدمی چوکس کھڑے تھے ۔ ان کے ہاتھوں میں جدید قسم کے پستول تھے ۔ وہ ان کے پیچھے چلنے لگے ۔ دو برامدے طے کرنے کے بعد ڈونا ایک دروازے پر رکی :

"ڈیڈی !" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں ! بے بی ۔ اب کیا ہوا ؟"

"آپ نے ان لوگوں سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ ان کے پاس پن کہاں سے آ گئی تھی۔"

"اوہ ہاں بے بی ۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔"

"خیر ۔ میں نے معلوم کر لیا ہے ۔ پن اس لڑکی کے کالر میں لگی تھی ۔ گویا تلاشی لینے والے کی غلطی سے ایسا ہوا ۔ مجھے اس قدر تکلیف اٹھانا پڑی۔"

"اوہ۔ میں اسے کچا چبا جاؤں گا" پروفیسر بھاکڑا نے غرّا کر کہا۔

"نہیں ڈیڈی۔ وہ میرا مجرم ہے۔ سزا بھی میں دوں گی" ڈونا بولی۔

"ٹھیک ہے۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

"بچھوؤں کے تالاب میں دھکیلنا چاہتی ہوں اسے"

"بچھوؤں کا تالاب" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! فکر نہ کریں۔ آپ لوگ بھی یہ تماشا دیکھیں گے۔ اپنی موت سے پہلے ہی یہ دیکھ لیں گے کہ آپ کو کس طرح مرنا پڑے گا"

"کک۔ کیا مطلب۔ کیا ہمیں بھی تالاب میں گرایا جائے گا؟"

"ہاں! یہاں کسی کو موت کے گھاٹ اتارنے کا اس سے آسان طریقہ ہے ہی نہیں"

"اوہ!" وہ کانپ گئے۔

"لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم لوگوں کی زندگی کے چند دن باقی ہیں"

پروفیسر بھاکڑا نے میز کے پائے میں لگا بٹن دبایا۔ فوراً ہی ایک شخص اندر داخل ہوا:

"ان لوگوں کی تلاشی کس کس نے لی تھی؟"

"عالی۔ جاکو اور راجل نے"

"تینوں کو فوراً یہاں لے آؤ" پروفیسر بھاکڑا سرد آواز میں بولا۔

"او کے سر" یہ کہتے ہوئے وہ سر سے پیر تک لرز گیا۔ اور پھر قریباً دوڑتا ہوا چلا گیا۔ جلد ہی وہ تین لمبے تڑنگے آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"اس لڑکی کی تلاشی تم میں سے کس نے لی تھی؟"

"جج۔ جی میں نے" ان میں سے ایک نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ۔ راجل یہ تم تھے۔ جانتے ہو۔ تم سے کیا غلطی ہوئی؟"

"غغ۔ غلطی۔ نن۔ نہیں جناب۔ میں غلطی کس طرح کر سکتا تھا"

"یہ سب گواہ کھڑے ہیں۔ کہ تم سے تلاشی لینے میں چوک ہوئی ہے"

"کک۔ کیسے جناب" اس نے لرز کر کہا۔

"اس لڑکی کے ایک کالر کے نیچے ایک پن لگی ہوئی تھی۔ تم اس کو نہیں دیکھ سکے"

"اوہ!" اس کا رنگ اڑ گیا۔

"ڈونا نے تمھارے لیے بچھوؤں کا تالاب تجویز کیا ہے۔" پروفیسر بولا۔

"نن۔ نہیں۔" وہ پوری قوت سے چلایا۔ اور فرش پر گر کر تھر تھر کانپنے لگا۔

"یہ کیا۔ بھئی کم از کم اپنے پیروں پر چل کر تو تالاب تک جاؤ۔"

"مم۔ معاف کر دیجیے۔ بے بی۔ میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں۔"

اس نے لوٹ لگائی اور ڈونا کے پیر پکڑ لیے۔

"تم جانتے ہو۔ ہمارے ہاں معافی نہیں ہے۔ خود اپنے گہرے دوست کو تم تالاب میں دھکا دے چکے ہو، اس سے بھی اسی قسم کی غلطی ہو گئی تھی۔"

"ہاں! شاید۔ یہ مجھے اسی جرم کا بدلہ مل رہا ہے۔ میں نے اپنے دوست پر ترس کیوں نہ کھایا؟" اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن رابل۔ ترس کھا کر بھی تم اس کے کچھ کام نہیں آ سکتے تھے۔"

"اس کی بجائے میں خود تو کود سکتا تھا تالاب میں۔" اس نے کہا۔

"چلو۔ اب کود جانا۔"

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔" وہ پھر لرزنے لگا۔

"لے جاؤ بھئی اس کو۔ ان مہمانوں کو بھی لے جاؤ۔ یہ بھی اس منظر سے لطف اندوز ہو لیں۔"

"تو آپ نہیں لطف اٹھائیں گے؟" ڈونا بولی۔

"اگر سانپوں کے تالاب میں پھینکنے کا فیصلہ ہوتا تو میں ضرور چلتا۔" اس نے کہا۔

"پھر کبھی سہی۔" ڈونا نے کندھے اچکائے۔

عالی اور جاکو نے رابل کو اٹھا لیا۔ چاروں مسلح آدمی اب بھی ان کے ساتھ تھے۔ عمارت کے برامدوں میں سے چکراتے آخر وہ دروازے تک پہنچے۔ عمارت کا دروازہ ایسا تھا جیسا قلعوں کا ہوتا ہے۔ دروازے پر اندر کی طرف چار مسلح پہرے دار موجود تھے۔ ڈونا کے اشارے پر دروازہ کھولا گیا۔ باہر نکلنے پر چار پہرے دار اور نظر آئے۔

اب انھوں نے دیکھا۔ چاروں طرف گھنا جنگل تھا۔ لیکن چڑیوں تک کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے۔ جنگل کو ہر چیز سے صاف کر دیا گیا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! نہ کوئی جانور۔ نہ پرندہ۔ نہ کیڑا۔"

"لیکن سانپ اور بچھو کس طرح رہ گئے؟" منور علی خان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"پہلے ہی بتایا تھا کہ سارے جنگل کے سانپوں اور بچھوؤں کو پہلے ایک جگہ جمع کر لیا گیا تھا، پھر ان کو اس گیس سے محفوظ کر دیا گیا جس کے ذریعے درندوں کو بھگایا گیا۔ اور ان کے ارد گرد دیواریں بنا دیں؛ چنانچہ درندے، پرندے اور کیڑے سب بھاگ گئے۔ بس سانپ اور بچھو رہ گئے۔ اب وہ الگ الگ تالابوں میں ہیں۔"

"اور پروفیسر جاکڑا ان کی تجارت کرتا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"یہی سمجھ لیں۔"

"لیکن خریدنے والے اتنے سانپوں اور بچھوؤں کا کیا کرتے ہیں؟"

"یہ ڈیڈی بتا سکتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کہا۔

وہ جنگل میں چلتے رہے۔ رابل مارے خوف کے ساکت ہو گیا تھا اور عالی اور جاکو کے کندھوں پر سفر کر رہا تھا۔ انھوں نے عالی اور جاکو کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے ستے ہوئے تھے۔

"شاید تم دونوں کو اپنے ساتھی کے انجام کا دکھ ہے۔" آصف نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کیا کہا۔ تمھیں دکھ نہیں ہے؟"

"نہیں! ہم پروفیسر صاحب کی خوشی میں خوش ہیں۔ ہم ان کے غلام ہیں۔" عالی بولا۔

"چاہے پروفیسر جاکڑا سیاہ کرے یا سفید۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"ہاں! وہ مالک ہیں۔ مختار ہیں۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔ مالک اور مختار بس ایک اللہ کی ذات ہے۔" آفتاب بلند آواز میں بولا۔

"پروفیسر جاکڑا ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے۔" ایک پستول والا پیچھے سے غرایا۔

"نہ کریں۔" فرحت نے کندھے اچکائے۔

"بے بی۔ ان کے بارے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" دوسرے پہرے دار نے گویا اجازت چاہی۔

"یہ مہمان ہیں۔ اور ابھی ان کی موت کا دن مقرر نہیں کیا گیا۔" ڈونا نے کندھے اچکائے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ ویسے یہ لوگ میزبانی کے قابل

نہیں ۔"

"تم کیا جانو ۔ ان کی باتیں کس قدر مزے دار ہیں۔" ڈونا نے چٹخارہ لیا ۔

عین اسی وقت انھوں نے ایک عجیب سی آواز سُنی ۔

یہ کیا ہے؟

اس آواز نے ان کے رونگٹے کھڑے کر دیے ۔ منور علی خان تو اُچھل ہی پڑے ۔ یہ اَن گنت سانپوں کی پھنکار کی آواز تھی ۔

" اُف مالک ۔ اتنے سانپ ۔" منور علی خان بڑبڑائے ۔

" ہاں ! سارے جنگل کے سانپ جب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو اتنے ہی ہوں گے ۔"

" اور بچھو ۔ ان کی آواز نہیں سُنائی دی ۔"

" بچھوؤں کی آواز ہم نہیں سُن سکتے ۔ بہت مدھم ہوتی ہے ۔" اس نے کہا ۔

" ہُوں ! مسٹر رابل میری ایک تجویز ہے ۔" ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے اسے مخاطب کیا ۔

" کیا مطلب ؟" رابل چونک کر بولا اور عالی اور جاکو کے کندھوں سے نیچے آ رہا ۔

"آپ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں۔ ان سے ٹکرا جائیں۔ بچھوؤں کا لقمہ بننے سے تو یہی بہتر رہے گا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن سوال تو یہ ہے کہ مجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ مرنا تو مجھے پھر بھی پڑے گا۔"

"یہ ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے، آپ بچ جائیں۔ ویسے بھی اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے مارا جانا بہت بہتر ہے، بزدلوں کی طرح جان دینے کی نسبت۔"

"نہیں جناب۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا، مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ پروفیسر اس صورت میں میرے لیے اور بھی تکلیف دہ موت تجویز کریں گے۔"

"اگر آپ اپنی زندگی کے لیے نہیں لڑ سکتے تو پھر ہمیں آپ کے لیے لڑنا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے نئی بات کہی۔

"کیا مطلب؟" رابل زور سے چونکا۔ اس کے ساتھ نگران بھی چونکے۔

"مطلب یہ کہ ہم آپ کو بچھوؤں کے تالاب میں گرتے نہیں دیکھ سکتے۔"

"آخر آپ کیا کریں گے؟"

"آپ کی طرف سے ہم جنگ کریں گے۔"

انھوں نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔ نگران چونکتے ہو گئے۔ پستول پوری طرح تن گئے۔

"لیکن یہ جنگ یہاں نہیں ہوگی۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تب پھر کہاں ہوگی؟" رابل نے منہ بنایا۔

"سانپوں یا بچھوؤں کے تالاب کے کنارے۔"

"بس رہنے دیں۔ آپ کچھ نہیں کریں گے، یوں ہی باتیں بنا رہے ہیں۔" رابل نے جھلا کر کہا۔

"خیر۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔" منور علی خان نے کندھے اچکائے۔

"میں آپ لوگوں کو خبردار کیے دیتا ہوں۔ اگر کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو انجام بہت بھیانک ہوگا۔" جاکو نے پریشان آواز میں کہا۔

"کیوں! تم ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہو۔ جب کہ ابھی ہماری موت کا دن مقرر نہیں کیا گیا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

نگرانوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر عالی نے بے بی ڈونا سے کہا:

"آپ کیا کہتی ہیں؟"

"انھیں زندہ رکھنا ہوگا۔ ڈیڈی مجھے ان کے ساتھ چند دن گزارنے کی اجازت دے چکے ہیں، وہ یہ اجازت کس طرح

واپس لے سکتے ہیں۔" ڈونا بولی۔

"لیکن اگر یہ لوگ مرنے مارنے پر تل گئے تو؟"

"اس صورت میں انھیں پکڑ کر جکڑ دیا جائے گا۔ رابل کی موت کا تماشا یہ بندھی ہوئی حالت میں دیکھیں گے۔" ڈونا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ہوں! یہ ٹھیک رہے گا۔" عالی مسکرایا۔

"ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ ٹھیک رہے گا، لیکن اس کام کے لیے تمھیں کچھ اور آدمی بلا لینے چاہییں۔" آفتاب بول اٹھا۔

"آفتاب۔ کیا کر رہے ہو۔ چپ نہیں رہ سکتے۔" فرحت نے تلملا کر کہا۔

"کک۔ کیا میں نے کوئی غلط بات کر دی۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"اب یہ لوگ اور آدمی بلا لیں گے۔ ہمارے لیے مشکل ہو گی نا۔ اور یہ تمھارے خیال دلانے کی وجہ سے ہو گا۔"

"اوہ۔ بات تو ٹھیک ہے۔ اچھا بھئی۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تم اور آدمیوں کو نہ بلاؤ۔ ہمارے لیے تو تم ہی بہت کافی ہو۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"ضرور تمھارا دماغ چل گیا ہے۔" آصف نے اسے گھورا۔

"اے۔ خبردار۔ میرے دماغ کو کچھ نہ کہنا۔ ورنہ مجھ

سے بڑا کوئی نہ ہوگا۔" آفتاب غرایا۔

"تم سے برا تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔" فرحت مسکرائی اور ڈونا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اسی وقت آفتاب نے فرحت کی طرف چھلانگ لگائی۔ فرحت بھڑک کر بھاگی، ڈونا اور بھی زور سے ہنسی۔

"گھبرانا نہیں فرحت۔ میں تمھاری مدد کروں گا۔" آصف نے کہا اور آفتاب کے پیچھے دوڑا۔

"اے۔ خبردار۔ مس ڈونا۔ ان کو روکیے۔ ورنہ ہم گولی چلانے پر مجبور ہوں گے۔"

"خبردار۔ گولی نہ چلانا۔ ورنہ تمھیں بچھوؤں کا شکار بننا پڑے گا۔"

نگران کانپ اٹھے۔ اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا تیر کی طرح ایک نگران کے اوپر آ رہے۔ وہ پستول سمیت دھب سے گرا۔ جب تک دوسرے ہوشیار ہوتے۔ انسپکٹر کامران مرزا اس سے پستول چھین چکے تھے۔ اور یہ سب کچھ ان کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے ہوا، کیوں کہ نگران پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان کے پستولوں کا نشانہ لیتے ہوئے فائرنگ شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے باقی تین نگرانوں کے پستول بھی فضا میں

آچھلے اور نگران خالی ہاتھ ہو گئے۔

"بھئی واہ۔ مزا آگیا۔" ڈونا خوشی سے چلائی۔

"تم لوگ ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔ میرا نشانہ تم دیکھ ہی چکے ہو اور اب تو میرے ساتھی باقی پستول اُٹھا چکے ہیں۔"

ان کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے۔

"اب کیا خیال ہے مسٹر رابل؟" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"انتہائی حیرت انگیز۔ لل۔ لیکن۔ بنے گا کیا۔ اس پورے جنگل پر تو پروفیسر کی حکمرانی ہے۔"

"ہم اس کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتے۔ پہلے حالی، جاکو اور ان چاروں نگرانوں کو تو سانپوں کے تالاب میں پھینک دیں، پھر اس کی طرف بھی چلیں گے۔"

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔" وُہ چلائے۔

"کیوں نہیں۔ کیا تھوڑی دیر پہلے تک تم رابل کو تالاب میں پھینکنے پر نہیں تُلے ہوئے تھے؟"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن ہم حکم کے غلام ہیں۔"

"تو ہم بھی وُہی کریں گے جو ہمارا دل چاہے گا۔ تالاب کی طرف قدم اُٹھاؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا۔

ان پر اوس پڑ گئی۔ تھر تھر کانپتے آگے بڑھے:

"مسٹر رابل۔ انھیں ذرا تیز چلاؤ۔"

"جی۔ جی بہتر۔" رابل نے کہا اور ان کی کمروں پر دھکے مارنے لگا۔

آخر وُہ سانپوں کے تالاب کے کنارے پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنے جسموں میں کپکپی کی لہریں محسوس کیں۔ ایک پختہ تالاب ان کے سامنے تھا۔ بہت بڑا تالاب۔ اور اس میں ہزاروں سانپ کلبلا رہے تھے۔ رینگ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر پھن مار رہے تھے۔

"تم لوگ خود چھلانگ لگاؤ گے یا ہم تمہیں دھکا دیں۔"

"ہمیں معاف کر دیں۔ ہم پوری طرح آپ لوگوں کا ساتھ دیں گے۔" ایک نے چلّا کر کہا۔

"جھوٹ کہتے ہو۔ ابھی پروفیسر یہاں آ جائے۔ تم فوراً اس کی طرف ہو جاؤ گے۔" آفتاب مسکرایا۔

"یہ خود چھلانگ نہیں لگائیں گے۔ ہمیں اُٹھا کر پھینکنا پڑے گا۔" منور علی خان نے کہا اور ان کی طرف بڑھے۔ وُہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دوڑے۔

"ان کی ٹانگوں پر گولیاں مارو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بالکل ٹھیک۔ پھر یہ نہیں بھاگ سکیں گے۔" ڈونا نے چلّا کر کہا۔

اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتے تھے ۔ گولیاں چلانا پڑیں ۔
بچے کے بچے دشمن اچھل اچھل کر گرے ۔ اب منور علی خان اور
رابل آگے بڑھے ۔ اور ان میں سے دو کو اٹھا کر تالاب کے
کنارے لے گئے ۔ تالاب کی دیواریں کچھ اس طرح بنائی گئی
تھیں کہ سانپ کوشش کے باوجود باہر نہیں نکل پا رہے تھے ۔
جوں ہی پہلے دو دشمن تالاب میں پھینکے گئے ۔ لرزا دینے
والی چیخیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں ۔ اور پھر سیکڑوں سانپ
ان کے جسموں سے لپٹ گئے ۔ ان کی مسلسل چیخوں نے جنگل کو
ہلا کر رکھ دیا ۔ اور پھر چیخیں دبتی چلی گئیں ۔ سانپوں کے ڈھیر میں
ان کی لاشیں چھپ گئیں ۔

باقی چار زخمی ٹانگوں کے ساتھ پڑے تڑپ رہے تھے ۔
انہیں بھی اٹھا کر تالاب میں پھینک دیا گیا ۔ ایک بار پھر
چیخوں کا بازار گرم ہو گیا ۔

" ان بدبختوں نے نہ جانے کتنے بے گناہ ان تالابوں میں
پھینکے ہوں گے ۔ خود بھی سانپوں کا نوالہ بن گئے ۔ اور اب رابل
سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ درختوں کا کیا معاملہ ہے ؟"

" درختوں کا معاملہ ۔ کیا مطلب ؟"

" درخت آدمیوں کو کس طرح ہڑپ کر لیتے ہیں ؟"

" اوہ اچھا ۔ دراصل کچھ درختوں کے تنے کھوکھلے کر دیئے

گئے ہیں ۔ ان پر مصنوعی غلاف چڑھے ہوئے ہیں ۔ جو غور سے
دیکھنے پر بھی درخت کا تنا ہی نظر آتے ہیں ۔ ان درختوں کا
سلسلہ نیچے ایک سرنگ سے جا ملتا ہے ۔ سرنگ محل تک جاتی
ہے ۔ محل میں سے پروفیسر کے آدمی درختوں تک آ جاتے
ہیں اور جنگل میں گھومنے پھرنے والوں کو پکڑ کر کھینچ لیتے
ہیں ۔ ان کے ہاتھوں میں بے ہوش کر دینے والی ایک
تیز دوا کے رومال ہوتے ہیں ۔ وہ رومال ان کے ناکوں
پر رکھ دیئے جاتے ہیں ۔"

" اوہ ۔ تو یہ بات ہے ۔ محل میں کل کتنے آدمی ہیں ؟"

" محل میں ۔ پچاس کے قریب ہوں گے ۔"

" ہوں ۔ گویا ہمیں پچاس آدمیوں سے جنگ کرنا ہو گی ،
سانپوں اور بچھوؤں کا یہ کیا کرتے ہیں ؟"

" اس بارے میں پروفیسر کے سوا کسی کو کچھ معلوم
نہیں ۔"

" ہوں ۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آ رہی ہے انکل ۔"
فرحت کی آواز ابھری ۔

" اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو گی ۔" آصف بولا ۔

" میں تو خود سوچ رہا تھا کہ ترکیب بے چاری کو کیا ہو
گیا ہے ۔ کیوں فرحت کے دماغ میں نہیں آ رہی ۔"

"بھئی پہلے سُن تو لو" منور علی خان مُسکرائے۔
"ترکیب یہ ہے انکل کہ آپ ڈونا کو یرغمال بنا لیں — پروفیسر خود کو ہمارے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"
"کچھ کہا نہیں جا سکتا" وہ بڑبڑائے۔
"مجھے یرغمال بنا لیں — یہ کیا بات ہوئی؟" ڈونا چونکی۔
"آپ تو ایک طرح ہماری ہی ساتھی ہیں — ٹھیک ہے نا؟"
"میں اپنے ڈیڈی کی ساتھی ہوں۔"
"اور ابھی تو آپ ان لوگوں کے تالاب میں پھینکے جانے پر خوش ہو رہی تھیں۔"
"وہ اور بات تھی — ان لوگوں سے مجھے چڑ ہے۔ ڈیڈی ان کی وجہ سے شیطان بن گئے ہیں۔"
"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں — اپنے ڈیڈی کی شان میں۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔
"ہاں، لیکن اس کے باوجود مجھے اپنے ڈیڈی سے محبت ہے، آخر وہ میرے ڈیڈی ہیں۔"
"خیر ہوں گے — ہمیں کیا — ہم ذرا ایک نظر بچھوؤں کے تالاب کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"
"ضرور کیوں نہیں — وہ سانپوں کے تالاب کے دوسری طرف ہے۔"

وہ سانپوں کے تالاب کے ساتھ چکر کاٹ کر دوسری طرف پہنچے — ان گنت بچھو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے — حد درجے خوف ناک منظر تھا — انھیں جھرجھری آ گئی — جلدی سے پیچھے ہٹ آئے:
"دونوں تالابوں سے سانپ اور بچھو نکالتا کون ہے؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔
"مَیں اور ڈیڈی" ڈونا ہنسی۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
"بچھو مجھے کچھ نہیں کہتے — اور سانپ ڈیڈی کو — لہٰذا بچھو مَیں نکالتی ہوں — سانپ ڈیڈی۔"
"تت — تو کیا یہ آپ کو ڈنک بھی نہیں مارتے؟" آفتاب نے پوچھا —
"ڈنک بھی مارتے ہیں اور ڈیڈی کو ڈستے بھی ہیں — لیکن چوں کہ ہمارے جسموں میں ان کا زہر موجود ہے — اس لیے زہر کو زہر مار دیتا ہے — ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔" ڈونا نے بتایا۔
"ہوں — اب صرف ایک بات رہ گئی — آخر اتنے سانپوں اور بچھوؤں کا کیا کیا جاتا ہے، اگر ان کا زہر حاصل کیا جاتا ہے تو وہ کس کام آتا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا

بڑبڑائے ۔

"یہ بات شاید ڈونا صاحبہ جانتی ہیں"

"نہیں ۔ میں بھی نہیں جانتی ۔ یہ بات صرف ڈیڈی کو معلوم ہے"

"تو پھر چلو ۔ تمھارے ڈیڈی سے ہی دو دو باتیں کر لیں" انھوں نے کہا۔

وُہ واپس مُڑے ۔ محل کے نزدیک پہنچ کر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا :

"ڈونا ۔ اپنے ڈیڈی کو آواز دو"

"ایک منٹ انکل ۔ اس طرح ہمیں پچاس کے قریب آدمیوں سے لڑنا پڑے گا ۔ جب کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں" فرحت بول پڑی۔

"کوئی ضرورت نہیں ۔ کیوں ۔ کیا تم جادو کے زور سے ان پچاس آدمیوں کو بے ہوش کر دو گی؟"

"ایسی بات نہیں ۔ ہم سیدھے اندر چلتے ہیں ۔ اگر ہم نے پروفیسر بھاکڑا پر قابو پا لیا تو سمجھو ان پچاس پر بھی قابو پا لیا"

"بات تو ٹھیک ہے ۔ آؤ" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے ۔

اور وُہ دروازے پر پہنچ گئے ۔ یہاں وُہی مسلح پہرے دار

موجود تھے ۔ ان کو دیکھ کر ان چاروں کے چہروں پر حیرت کے آثار نہیں اُبھرے ۔ گویا ان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وُہ لوگ کہاں گئے تھے اور کیوں گئے تھے ۔ ان کے ساتھ ڈونا کی موجودگی ہی کافی تھی ؛ چنانچہ وُہ پورے اطمینان سے اندر داخل ہو گئے ۔ انھیں اگر خطرہ تھا تو ڈونا کی طرف سے کہ وُہ ان لوگوں کو خبردار کر دے گی ۔ لیکن وُہ تو بالکل خاموش تھی ۔ یہ لڑکی اب تک ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی ۔ شاید اس کے دماغ کی کچھ کلیں خراب تھیں ۔

اندر والے پہرے داروں نے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی ۔ کچھ آگے بڑھ کر انسپکٹر کامران مرزا نے سرگوشی کی :

"بے بی ۔ اپنے ڈیڈی کے کمرے میں چلو"

"اچھا" اس نے کہا۔

اور قدم اُٹھاتی رہی ۔ آخر ایک کمرے کے دروازے پر رُک کر اس نے دستک دی :

"ڈیڈی ۔ دروازہ کھولو ۔ ہم لوگ آ گئے ہیں"

"اوہ ۔ اچھا ۔ تو تم دل خوش کر آئیں"

"ہاں ڈیڈی ۔ آج تو کچھ زیادہ ہی مزا آیا ہے" ڈونا بولی ۔

ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

پروفیسر کی نظر جُوں ہی ان پر اور زندہ سلامت رابل پر پڑی۔ وُہ بھونچکا رہ گیا:

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔۔یہ میں کیا دیکھ رہا ہُوں"

اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

دو تالاب

"آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں، وہی حقیقت ہے۔ اور اس وقت آپ اور آپ کی بیٹی ہمارے پستولوں کی زد میں ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ۔ یہ کیسے ہوا ڈونا؟"

"آپ تو جانتے ہی ہیں۔ میں مہمانوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتی ہوں"۔

"کیا مطلب۔ عالی، جاکو اور چاروں محافظ کہاں ہیں؟"

"سانپوں کے تالاب میں"۔ ڈونا نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا۔ میں نے ان کو پھینکنے کے لیے کہا تھا یا رابل کو"۔ پروفیسر چلّایا۔

"جی آپ نے تو رابل کے لیے ہی کہا تھا۔ مگر ان لوگوں نے ان چھے کو اُٹھا کر پھینک دیا"۔

"یہ کیسے ہو گیا۔ کیا نگرانوں کے ہاتھوں میں پستول نہیں

تھے؟

"پستول تھے، لیکن ان لوگوں نے چاروں نگرانوں سے ان کے پستول چھین لیے تھے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا ان کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے تھے؟"

"جی ہاں ڈیڈی۔ وہ ان کے مقابلے میں بالکل بے کار ہو کر رہ گئے تھے۔" ڈونا نے خوش ہو کر کہا۔

"اور تم خوش ہو رہی ہو؟" بھاکڑا غرایا۔

"اوہ ڈیڈی۔ تو کیا مجھے غمگین ہونا چاہیے؟"

"ہاں! بالکل۔"

"بہت بہتر ڈیڈی۔ لیجیے۔ میں غمگین ہوئی جاتی ہوں۔"

"پروفیسر۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم سانپوں اور بچھوؤں کا کیا کرتے ہو۔ اپنے جن دو ساتھیوں کو تم نے ہلاک کروایا۔ ان کے پاس بچھوؤں سے بھرے ہوئے دو عدد ڈبے تھے۔ گویا تم یہاں سے سانپ اور بچھو سپلائی کرتے ہو۔ لیکن کہاں اور کیوں۔ سانپ اور بچھو وصول کرنے والے ان کا کیا کرتے ہیں؟"

"وہ ان سے زہر حاصل کرتے ہیں۔" بھاکڑا ہنسا۔

"اور زہر کا کیا کیا جاتا ہے؟"

"ایک دوا تیار کی جاتی ہے۔ دوا کا تجربہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔" اس نے پُرغرور لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیسا تجربہ؟"

"نئے سرے سے جوان ہونے کی دوا۔ بوڑھا آدمی اس دوا کی ایک خوراک کھالے۔ جوان ہو جاتا ہے۔"

"بس ایک خوراک۔" منور علی خان پُرجوش انداز میں بولے۔

"جی نہیں۔ ایک خوراک ہر ماہ۔" وہ بولا۔

"اور دوا کون بناتا ہے؟"

"خود میں بناتا ہوں۔"

"پروفیسر بھاکڑا۔ کیوں جھوٹ بولتے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ میں کیوں جھوٹ بولنے لگا۔"

"یہ جھوٹ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اگر تم ان کے زہر سے کوئی دوا تیار کرتے ہو تو اس کے لیے اتنا لمبا چوڑا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی۔ خفیہ طور پر جنگل پر قبضہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اور پھر تمھارے آدمیوں کو ڈبوں میں بچھو اور سانپ بھر بھر کر لے جانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دوا اگر تم خود تیار کرتے ہو تو پھر اس دوا کو تیار کرنے کے لیے بھی تو اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں اور
جھوٹ بولنا آپ جیسے آدمی کے لیے زیب نہیں دیتا۔"

"تت۔ تم تم بہت چالاک ہو۔" جھاکڑا نے حیران ہو
کر کہا۔

"آگے بھی تو کہیے۔"

"ہاں! میں مانتا ہوں۔ میں نے جھوٹ بولا ہے۔ زہر
دوا بنانے کے کام نہیں آتا۔"

"تب پھر۔"

"ترقی یافتہ ترین ملکوں میں نشہ آور ادویات کا استعمال حد
درجے بڑھ گیا ہے۔ شراب سے اب ان کو نشہ نہیں ہوتا۔
ہیروئن جیسی چیزیں بھی اب بے کار ہو گئی ہیں۔ ماہرین ان
سے بھی زیادہ طاقت ور نشے کی تلاش میں تھے۔ انھوں نے
سانپ اور بچھو کے زہر پر بھی تجربات کیے اور ان کی حیرت
کی انتہا نہ رہی۔ جب یہ دونوں زہر حد درجے نشہ آور
ثابت ہوئے۔ لہٰذا اب ان دونوں زہروں کی ان ممالک
میں بہت مانگ ہے۔ زہر نکالنے کا کام وہ خود ہی کرتے
ہیں، انھیں تو بس زیادہ سے زیادہ تعداد میں سانپ اور بچھو
چاہییں۔ میں بھی زہروں کا ماہر ہوں۔ جب یہ بات مجھے
معلوم ہوئی تو میں نے ایسے اداروں سے بات کی جو سانپوں

اور بچھوؤں کے خریدار ہیں۔ وہ منہ مانگے داموں خریدنے پر
آمادہ تھے۔ میں شکاری بھی ہوں۔ اس جنگل کا مجھے تجربہ تھا،
سو میں نے سوچا کہ کسی طرح یہاں کے تمام سانپ اور بچھو
ایک جگہ جمع کر دیے جائیں اور درندوں سے نجات حاصل کر
لی جائے۔ آخر میں اپنے تجربات میں کامیاب ہو گیا۔ اور
پھر جنگل کو درندوں سے پاک کرنے کے علاوہ یہاں بھوت بھی
پیدا کر دیے۔ باقی حالات تو تم لوگ جانتے ہی ہو۔"

"اور گیری اور جانی کو کیوں ہلاک کیا گیا؟"

"انھوں نے ہدایات پر کیوں عمل نہیں کیا۔ ان کو تو چاہیے
تھا۔ فوراً اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے۔ وہ ریسٹ ہاؤس
میں آرام کرنے لگے۔"

"لیکن یہ کام تو جائز طریقے سے بھی ہو سکتا تھا۔" آصف
بولا۔

"وہ کیسے؟"

"حکومت کی اجازت سے یہ تجارت کی جا سکتی تھی۔" آصف
نے کہا۔

"نہیں آصف۔ حکومت اس قسم کی تجارت کی ہرگز اجازت
نہیں دے سکتی تھی۔ اور پھر اس تجارت کے لیے جنگل کے
تمام درندے ختم کیے گئے۔ حکومت اس کی اجازت بھی نہیں

دے سکتی۔ اور پروفیسر نے اس تجارت کے لیے نہ جانے
کتنے بے گناہ شکاری موت کے گھاٹ اتارے۔ لہٰذا یہ
پکّے اور بڑے مجرم ہیں۔ اور انھیں پھانسی کے تختے سے
کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"آپ بھول رہے ہیں انسپکٹر۔" پروفیسر مسکرایا۔

"یہ ہمارے لیے ایک نئی اور چونکا دینے والی خبر ہے۔"
آفتاب حیران رہ گیا۔

"کس خبر کی طرف اشارہ ہے۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"یہ کہ ابّا جان کوئی بات بھول رہے ہیں۔"

"نہیں بھئی۔ میں بھی انسان ہوں۔ مجھ سے ایک بھول
کیا، ان گنت بھولیں ہو سکتی ہیں۔"

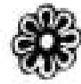
"اچھا خیر۔ معلوم ہو جاتا ہے۔ ہاں تو پروفیسر صاحب۔
یہ کیا بھول رہے ہیں؟"

"آجاؤ بھئی جوفی۔"

"جوفی۔ کون جوفی۔ ہم تو کسی جوفی کو نہیں جانتے جناب۔
اور جب ہم جانتے ہی نہیں تو اسے بھول کیسے سکتے ہیں۔ یاد
کیسے رکھ سکتے ہیں۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"جوفی کو دیکھ کر انسپکٹر صاحب کو سب کچھ یاد آجائے گا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور جوفی اندر داخل

ہوا۔ جوفی کو دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔
یہ وہی بھوت تھا۔



آفتاب، آصف، فرحت اور منور علی خان نے اسے آنکھیں پھاڑ
پھاڑ کر دیکھا، پھر آفتاب بولا:

"ارے باپ رے۔ اتنا لمبا آدمی۔"

"آدمی نہیں بھوت۔" فرحت بڑبڑائی۔

"لیکن ابّا جان کا اس بھوت سے کیا تعلق؟"

"تم لوگوں کے غائب ہو جانے کے بعد میں جب کسی درخت
کے نزدیک نہ ہوا تو اسے میرے مقابلے پر بھیجا گیا تھا۔
یہ بہت طاقت ور ہے۔ اس نے مجھے ایک درخت کی طرف
دھکیل ہی دیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب شکست ان کا
مقدر بن چکی ہے۔"

"جوفی۔ یہ انسپکٹر کیا کہہ رہا ہے؟"

"میں اس کو ابھی سیدھا کیے دیتا ہوں سر۔" اس نے کہا

اور ان کی طرف بڑھا۔

"شاید تم اندھے ہو۔ ہمارے ہاتھوں میں پستول ہیں۔" منور علی خان غرائے۔

"اور میں بھوت ہوں۔ بھوتوں پر پستول اثر نہیں کرتے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اوہو۔ اچھا۔ ذرا دیکھیں تو۔" منور علی خان نے کہا اور اس کے سینے کا نشانہ لے کر فائر کر ڈالا۔

گولی چلی، اس کے سینے پر لگی، لیکن جواب میں نہ تو چیخ سنائی دی اور نہ جوفی گرا، وہ اسی طرح کھڑا رہا، ہاں قہقہہ ضرور اس کے منہ سے ابلا۔

"بلٹ پروف۔" منور علی خان نے منہ بنایا۔

"جوفی۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"بلٹ پروف۔ یہ کس چڑیا کا نام ہے؟"

"ان کا خیال ہے کہ تم ایسا لباس پہنے ہوئے ہو جس پر گولی اثر نہیں کرتی۔" پروفیسر ہنسا۔

"تب ان کا دماغ چل گیا ہے۔ میں انھیں دکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے سینے پر سے لباس ہٹا دیا۔ انھوں نے دیکھا، اس کے جسم پر کوئی بلٹ پروف لباس نہیں تھا۔

"عجیب بات ہے۔ اس کے جسم پر گولی کیوں اثر نہیں کر

رہی۔"

"شاید یہاں بھی کسی سائنس کی ایجاد کو کام میں لایا گیا ہے۔" منور علی خان نے منہ بنایا۔

"یہی بات ہے۔ جوفی کے گرد نظر نہ آنے والا ایک ہالہ موجود ہے۔ گولی اس ہالے سے ٹکرا کر اپنی رفتار کھو بیٹھتی ہے۔ اور بہت آہستہ سے جسم سے ٹکراتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ زخمی تک نہیں کرتی۔"

"حیرت انگیز ایجاد ہے۔ اس کا موجد کون ہے؟"

"میں۔ اور کون ہوتا موجد۔" پروفیسر نے کہا۔

"تب تو تم اس ایجاد کے ذریعے اور بھی زیادہ دولت کما سکتے تھے۔ زہر کا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ابھی یہ معاملہ تجرباتی دور میں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ یہ تجربہ بعد میں ہوا، میں اس جنگل کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے بیٹھا تھا۔"

"ہوں خیر۔ مطلب یہ ہوا کہ پہلے ہمیں جوفی سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد آپ کی طرف قدم اٹھا سکیں گے۔"

"اٹھا کہاں سکو گے۔ تمھاری ٹانگیں تو اس وقت تک جواب دے چکی ہوں گی۔"

"ادھر ادھر کی باتیں بنانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم آپس

میں فیصلہ کر لیں۔"

"لیکن انکل۔ فیصلہ کرنے میں وقت لگے گا۔ جب کہ ہم اس کے بغیر بھی ان پر قابو پا سکتے ہیں۔" فرحت کی آواز سنائی دی۔

وہ چونک کر اس کی طرف مڑے:

"کیا کہنا چاہتی ہو فرحت؟"

"میرے ہاتھ میں جو پستول ہے۔ اس کی نال ڈونا کے پہلو میں چبھ رہی ہے۔ بس ٹریگر دبانے کی ضرورت ہے، پھر ڈونا کی لاش تڑپ رہی ہوگی۔"

"ن۔ نہیں۔" پروفیسر پوری قوت سے چلّایا۔

"خیر تو ہے پروفیسر۔ آپ تو بہت پریشان ہو گئے۔"

"میری بچی مجھے بہت عزیز ہے۔ اگر اس کے جسم پر خراش بھی آئی تو میں تم لوگوں کا بہت بُرا حشر کروں گا۔"

"فی الحال تو تم اپنے حشر کی بات کرو پروفیسر۔" آصف نے بھنّا کر کہا۔

"مم۔ میں۔ میں تم سے۔" پروفیسر جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"ہاں ہاں۔ کہیے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

عین اسی وقت جُوفی نے اندھا دھند انداز میں انسپکٹر کامران مرزا پر چھلانگ لگائی۔ اس کا خیال تھا۔ وہ بے دھیان کھڑے

ہیں اور یہی اس کی غلطی تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا پوری طرح ہوشیار تھے۔ بلا کی رفتار سے جھکائی دے گئے اور جُوفی پوری طاقت سے پروفیسر بھاکڑا سے ٹکرایا۔ دونوں دھڑام سے گرے:

"ارے ارے۔ یہ کیا بھئی۔ آپس میں تو نہ لڑو۔" آفتاب بوکھلا کر بولا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ لڑتے ہیں تو لڑنے دو۔ تمھارا کیا جاتا ہے۔" آصف نے اسے گھورا۔

"ہاں۔ گیا تو ابھی تک کچھ نہیں۔"

اس سے پہلے کہ دونوں اُٹھتے۔ انسپکٹر کامران مرزا کی ایک ٹھوکر جوفی کی کن پٹی پر اس زور سے لگی کہ فوراً خون چھلک پڑا۔ اور وہ بُری طرح تڑپنے لگا۔

"لیجیے۔ پروفیسر۔ سنبھالیے۔ اپنے جُوفی کو۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے ایک ٹھوکر پروفیسر کی پسلیوں پر بھی دی۔ ادھر سے منور علی خان ان کی مدد کو آگے بڑھے۔

ڈونا بُت بنی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ آگے بڑھی اور اُچھل کر انسپکٹر کامران مرزا کی گردن سے چمٹ گئی، پھر وحشیانہ انداز میں اس نے منہ کھولا اور اس کے لمبے دانت ان کی گدی کی طرف بڑھے۔

فرحت نے جو یہ منظر دیکھا تو کانپ گئی اور بلا کی رفتار

ے آگے بڑھی ۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ۔ ڈونا کے لمبے بال پکڑ کر فوراً اپنی طرف جھٹکا مارا ۔

ڈونا کے گدی کی طرف بڑھتے دانت اوپر کی طرف اٹھ گئے ۔ چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نمودار ہو گئے ۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے اسے اپنے اوپر سے جھٹک دیا ۔ وہ دھڑام سے گری ، لیکن اس کے بال اب تک فرحت کے ہاتھ میں تھے ۔ فرحت نے اس کے بالوں کو ایک زوردار جھٹکا دیا ، اس کے منہ سے چیخ نکل گئی ۔

عین اسی وقت انھوں نے دیکھا ۔ پروفیسر دانت نکالے منور علی خان کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ گویا انھیں کاٹ کھانا چاہتا تھا :

" انکل ! اس کے دانتوں سے بچ کر رہیے گا ۔" آفتاب نے چیخ کر کہا ۔

لیکن اس وقت تک منور علی خان کی کلائی اس کی گرفت میں آ چکی تھی ۔ انھوں نے کلائی چھڑانے کے لیے زور لگایا ۔ جھٹکا مارا ۔ لیکن پروفیسر میں غضب کی طاقت محسوس کی اور پکار اٹھے :

" آفتاب ۔ آصف ۔ دوڑو ۔"

انھوں نے خطرہ فوراً ہی محسوس کر لیا اور تیر کی طرح ان کی طرف آئے ۔ پروفیسر اس وقت تک اپنے دانت ان کی کلائی کی طرف بڑھا چکا تھا ۔ آفتاب کا بھرپور مکا اس

کی کن پٹی پر لگا ، لیکن اسے تو جیسے کچھ اثر ہی نہ ہوا ۔ آفتاب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔ ادھر آصف نے سر کی ٹکر اس کے کندھے پر رسید کی ۔ اس ٹکر سے بھی اس کا کچھ نہ بگڑا ۔ ایسے میں فرحت چلا اٹھی :

" بال ۔ آصف بال پکڑو اس کے ۔"

دونوں کو ایک جھٹکا سا لگا ۔ اور انھوں نے فوراً اس کے بال پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچے ۔ پروفیسر پیچھے کی طرف کھنچ آیا ۔ ان کے چہرے کھل اٹھے ۔

" بس بال کھینچتے رہو ۔ یہ بے بس ہو جائے گا ۔" فرحت بولی ۔

جلد ہی منور علی خان اس سے الگ ہٹ گئے اور پھر اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا ۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا جوئی سے بھڑے ہوئے تھے ۔ آخر دونوں بے دم ہو گئے ۔ انھیں جکڑ لیا گیا ۔

" اب رہ گئے قریباً پچاس آدمی ۔ ان کا کیا کریں ۔" منور علی خان بولے ۔

" کرنا کیا ہے ۔ ہم دروازے کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پستولوں کو نالوں کی طرف سے پکڑ لیتے ہیں ، اور انھیں اندر بلانا شروع کر دیتے ہیں ۔ اندر بلانے کے لیے کون سا پاپڑ بیلنا پڑیں گے ۔ بس گھنٹی ہی بجانا پڑے گی ۔"

فرحت نے جلدی جلدی کہا۔

"ترکیب شان دار ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرا کر بولے۔

اس ترکیب پر عمل شروع ہوا اور ایک ایک کرکے تمام لوگوں پر قابو پا لیا گیا۔

"لیجیے۔ ہو گئے فارغ۔ اب کیا خیال ہے انکل؟" آصف نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ ابھی فارغ نہیں ہوئے۔ یہاں کی تلاشی لینا ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انھوں نے تلاشی کا کام شروع کیا۔ اور پھر آفتاب نے سب کو ایک الماری کے پاس جمع کر لیا۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ الماری لالی گروپ کے خنجروں سے بھری پڑی تھی۔

"اُف مالک۔ یہ تو لالی گروپ کے خنجر ہیں۔ تو کیا لالی گروپ پروفیسر کا گروپ ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے، پھر زخمی لوگوں کو بولنے پر مجبور کیا گیا۔ آخر انھوں نے بتایا:

"ہم سے یہ کاروبار چھیننے کے لیے ایک دُوسرا گروپ کوشش میں مصروف ہے۔ اس کا نام اٹاری گروپ ہے۔ آپس میں ہمارا ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔"

"اب تو میں یقین سے کہ سکتا ہوں کہ لالی گروپ کا کوئی آدمی

ہمیں سارا راز بتانے آیا تھا، لیکن اسے ہمارے گھر کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔"

"یہ تو ایک پنتھ دو کاج ہو گئے۔ یعنی ایک کیس میں دو کیس۔" فرحت بولی۔

"ایک کیس میں دو کیس۔ ارے۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"خیر۔ اب تو فارغ ہو گئے۔ اب کیا خیال ہے انکل؟" آصف بولا۔

"کس بارے میں؟" منور علی خان بولے۔

"شکار کے بارے میں۔ گھر سے تو آخر ہم شکار کے لیے ہی نکلے تھے نا۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے، لیکن بھئی۔ یہ شکار کیا بُرا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی۔ کون سا شکار؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ بھئی۔ انسانی شکار۔ جو کمرے میں بھرا پڑا ہے۔"

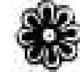
اور ان کے چہروں پر مسکراہٹیں تیر گئیں۔



انسانی شکار

کا انعامی سوال

س: اس ناول میں سے اشتیاق احمد کا پسندیدہ جملہ منتخب کریں؛



- جن پانچ قارئین کے جملے اشتیاق احمد کے پسندیدہ جملے سے مل گئے، انعام کے حق دار ہوں گے —
- انعام پہلے پانچ درست جوابات پر دیا جائے گا —
- انعام آیندہ شائع ہونے والے ناولوں کی صورت میں ملے گا —
- انعام نکلنے کی صورت میں آیندہ دو ماہ کے ناول بذریعہ رجسٹری آپ کو ارسال کر دیے جائیں گے —
- ہر سوال کا جواب الگ الگ کاغذ پر لکھیں —
- ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں —
- جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں —

(ادارہ)

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۵۳

مقدس آگ

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ایک فائر نے ان کی کار کا ٹائر پنکچر کر دیا —
- ایک آزاد ریاست میں انھیں گھیر لیا گیا —
- بستی کا سردار ان کے سامنے ایک پیش کش رکھتا ہے۔
- پیش کش کیا تھی —
- ایک پُر اسرار لڑکی سے ملیے —
- جوتوں کے ایک جوڑے کی کہانی — جن کی وجہ سے الجھن پیدا ہو گئی تھی —
- وہ جوتے کس کے تھے — آپ آخر تک نہ جان پائیں گے —
- ہر قدم پر کایا پلٹ —

قیمت: چھے روپے

آیندہ کتاب کی ایک جھلک

متفرق سلسلہ

مرزا غلام احمد قادیانی

- مرزا غلام قادیانی کون تھا ـــ
- پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات پر ایک نادر کتاب ـــ
- کتاب قادیانی کتب سے تیار کی گئی ہے ـــ
- اس میں اپنی طرف سے کسی بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا رہا۔ اور منہ بولتا ثبوت وہی ہوتا ہے جو مخالف کی کتابوں سے پیش کیا جائے ـــ
- نبوت کے دعوے سے پہلے مرزا نے کیا کچھ کیا ـــ
- بچپن میں مرزا کی عادات کیا تھیں ـــ (آپ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ بھی ہو سکتے ہیں ۔ اجازت ہے۔)
- آپ نے لطائف کی بہت سی کتابیں پڑھی ہوں گی ۔ لیکن مرزا کے لطائف کبھی نہیں پڑھے ہوں گے ـــ
- اس کتاب کا دوسرا نام مرزا کے لطائف بھی ہو سکتا تھا ۔ لیکن ادارہ

تحفظ ختم نبوت کی تجویز پر نام مرزا غلام احمد قادیانی ہی رکھا گیا ـــ

- یہ کتاب صرف آپ کے لیے نہیں ، آپ کے گھر والوں ، دوست اور احباب کے لیے ہی نہیں ، قادیانیوں کے لیے بھی ہے ـــ ان کے نبی (نعوذ باللہ) نے اپنی کتابوں میں کیا کچھ لکھا۔ یہ قادیانیوں کو بھی نہیں معلوم۔ لہٰذا ان کو بھی اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے ـــ
- مرزا کی زندگی پر مشہور لوگوں نے بہت بڑی بڑی کتب لکھی ہیں ـــ یہ کتاب ان سب کتابوں کا نچوڑ ہے ـــ اس لیے بچے اس سے لطف اندوز ہوں گے ، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ انہیں بھی خاطر خواہ فائدے کی امید رکھنی چاہیے۔
- قیامت کب آئے گی ۔ اس کتاب میں میں نے مرزا غلام احمد قادیانی نامی کتاب کا وعدہ کیا تھا ۔ سو اب یہ وعدہ پورا کر رہا ہوں ـــ
- آپ نے بھی بار بار مجھ سے پوچھا ـــ آخر آپ یہ کتاب کب لکھیں گے ـــ آخر وہ وقت آ ہی گیا ـــ
- متفرق سلسلے کی کتب چونکہ محدود تعداد میں شائع کی جاتی ہیں ، اس لیے اگر کسی شہر ، قصبے یا گاؤں تک نہ پہنچ سکے تو براہ راست ہم سے منگوا سکتے ہیں ـــ

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۵۵

سابونی کے غلام

مصنف: اشتیاق احمد

- سابونی کے غلاموں سے ملیے —
- لیکن نہیں — آپ تو سابونی سے ملنے کے لیے بے چین ہو جائیں گے۔
- اور سابونی سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا —
- وہ کون تھا —
- کیا کر رہا تھا —
- آپ ناول کے آخر میں ہی جان سکیں گے —
- قدم قدم پر حیرت — ہر موڑ پر تجسس —
- اور پھر یہ کیس انھوں نے انسپکٹر جمشید کی مدد کے بغیر حل کر لیا —

قیمت: چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۵۹

اپنا شکنجہ

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک گھر میں قتل کی ایک واردات ہونے والی تھی —
- انسپکٹر کامران مرزا کو کسی نامعلوم آدمی نے اس بات کی اطلاع دی۔
- کامران مرزا اس نامعلوم آدمی تک کس طرح پہنچے —
- وہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا —
- آفتاب، آصف اور فرحت کا سامنا ایک حد درجے چرتیلے آدمی سے — اس کے مقابلے میں انھوں نے شان دار شکست کھائی، لیکن
- لیکن بیگم کامران مرزا نے اس چرتیلے آدمی کا مقابلہ کس طرح کیا —
- ہر قدم پر ایک نئی حیرت —

قیمت: چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۴۱

پستول کا جال

— مصنف: اشتیاق احمد —

- میرے شوہر کی میز کی دراز میں ایک پستول موجود ہے۔
- ان کے دفتر میں آنے والی عورت کا یہ جملہ انہیں چونکا گیا—
- عورت کیا چاہتی تھی—
- شوکی نے خطرہ محسوس کیا، لیکن اس کی خواہش پوری کرنے پر تیار ہو گیا—
- اور پھر انہیں لینے کے دینے پڑ گئے—
- جلالی نور اس بار کھل کر ان کی دشمنی پر اتر آیا—
- ایک سنسنی خیز ناول—

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۱۲

راجال

— مصنف: آفتاب احمد —

- ایک عجیب مجرم نے کاشف اور طارق کو اغوا کرایا اور خود اپنے کارندوں کے ہاتھوں چائے پلوائی—
- ان کی آنکھوں کے سامنے ایک انوکھا تماشا ہوا، وہ سمجھ نہ سکے کہ مجرم کیا چاہتے ہیں—
- ایک انوکھے جاسوس کی آمد—
- ایک شخص کی دکھ بھری داستان—وہ مجرم کیسے بنا؟
- اس کو مجرم بنانے میں کس کا ہاتھ تھا؟
- انسپکٹر ارسلان ایک غیر ملکی جاسوس سے ایک سودا کرتے ہیں—

قیمت: چھ روپے

ڈراموں کی کتاب کی ایک جھلک

متفرق سلسلہ ۲۷

سرغنہ

—مصنف : اشتیاق احمد—

- اشتیاق احمد کے تحریر کردہ، انسپکٹر نوید سیریز کے تین ڈراموں کا مجموعہ—
- یہ ڈرامے لاہور کے آس پاس کے قاری ہی سُن سکے —
- جہاں ریڈیو پاکستان لاہور کی نشریات سُنائی نہیں دیتیں، وہاں کے قاری پریشان رہے —
- ان کی پریشانی کا حل یہی نظر آیا کہ ان ڈراموں کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے —
- آیندہ ماہ آپ دُوسرا مجموعہ "سرغنہ" پڑھیں گے —

قیمت : چھ روپے

پُرخوف رات

—— کا انعام

سوال یہ تھا : پہلا البم کہاں تھا ؟

جواب : فانوس میں۔



انعام پانے والے پانچ قارئین :

1. شاہدہ جبیں گوجر ، کوئٹہ
2. بلال احمد ۱۳۳-۴ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ ، کراچی ۲۵
3. نسیم پرویز ، سیالکوٹ
4. رخسانہ میمن ، حیدر آباد
5. سلمان نقوی ، مکان نمبر ۳۸۹ ، گل بہار نمبر ۱ ، کراچی ۱۰



آئندہ کتاب کی ایک جھلک

متفرق سلسلہ

مرزا غلام احمد قادیانی

○ مرزا غلام قادیانی کون تھا —

○ پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات پر ایک نادر کتاب —

○ کتاب قادیانی کتب سے تیار کی گئی ہے —

○ اس میں اپنی طرف سے کسی بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا رہا۔

○ اور منہ بولتا ثبوت وہی ہوتا ہے جو مخالف کی کتابوں سے پیش کیا جائے —

○ نبوت کے دعوے سے پہلے مرزا نے کیا کچھ کیا —

○ بچپن میں مرزا کی عادات کیا تھیں — آپ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ بھی ہو سکتے ہیں ، اجازت ہے ۔

○ آپ نے لطائف کی بہت سی کتابیں پڑھی ہوں گی ، لیکن مرزا کے لطائف کبھی نہیں پڑھے ہوں گے —

○ اس کتاب کا دوسرا نام مرزا کے لطائف بھی ہو سکتا تھا ، لیکن ادارہ

تحفظ ختم نبوت کی تجویز پر نام مرزا غلام احمد قادیانی ہی رکھا گیا —

○ یہ کتاب صرف آپ کے لیے نہیں ، آپ کے گھر والوں ، دوست اور احباب کے لیے ہی نہیں ، قادیانیوں کے لیے بھی ہے — ان کے نبی (نعوذ باللہ) نے اپنی کتابوں میں کیا کچھ لکھا — یہ قادیانیوں کو بھی نہیں معلوم — لہٰذا ان کو بھی اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے —

○ مرزا کی زندگی پر مشہور لوگوں نے بہت بڑی بڑی کتب لکھی ہیں — یہ کتاب ان سب کتابوں کا بچہ ہے — اس لیے بچے اس سے لطف اندوز ہوں گے ، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے — انہیں بھی خاطر خواہ فائدے کی امید رکھنی چاہیے —

○ قیامت کب آئے گی ، اس کتاب میں میں نے مرزا غلام احمد قادیانی نامی کتاب کا وعدہ کیا تھا ، سو اب یہ وعدہ پورا کر رہا ہوں —

○ آپ نے بھی بار بار مجھ سے پوچھا — آخر آپ یہ کتاب کب لکھیں گے — آخر وہ وقت آ ہی گیا —

○ متفرق سلسلے کی کتب چن کر محدود تعداد میں شائع کی جاتی ہیں ، اس لیے اگر کسی شہر ، قصبے یا گاؤں تک نہ پہنچ سکے تو براہ راست ہم سے منگوا سکتے ہیں —

(ادارہ)

نیا دفتر

○ الحمدللہ ہم نئے دفتر میں منتقل ہو چکے ہیں —

○ لیکن ملاقاتیوں کو مشکل پیش آ رہی ہے —

○ دفتر آنے کے تمام راستوں پر بورڈ لگا دیے گئے ہیں۔ تیر کا نشان دیکھ کر بڑھتے چلے آئیے اور جہاں سمجھ نہ آئے۔ کسی سے پوچھ لیجیے۔
پتا ہے: ساندہ کلاں، مسلم پورہ، نصیر آباد، گلی نمبر ۱۲

○ مین روڈ ساندہ سے بازار حکیماں والا پر ہو لیں۔ جس جگہ یہ بازار ختم ہوگا، سامنے بورڈ نظر آئے گا۔ یہاں سے بائیں طرف جوائے شاہ روڈ پر آ جائیں۔ آگے چلتے رہیں، یہاں تک کہ کھمبے پر لگا بورڈ نظر آ جائے۔ آپ آسانی سے دفتر والی گلی میں آ جائیں گے —

○ نقشہ دیا جا رہا ہے —



ووٹ دیجیے

○ میں آپ سے آپ کے ووٹ کا طلب گار ہوں —

○ لیکن اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے نہیں۔ میونسپل کارپوریشن کا ممبر بننے کے لیے بھی نہیں۔

○ قریباً دو سال سے کتابوں کی قیمت چھ روپے چلی آ رہی ہے —

○ اور ان دو سالوں میں ہر چیز کے ریٹ میں کئی بار اضافہ ہو چکا ہے۔ کاغذ، پرنٹنگ، بائنڈنگ، ٹائیٹل پروس، ٹائیٹل پرنٹنگ، کتابت، ملازمین کی تنخواہیں، ڈاک خرچ، غرض سبھی چیزوں کے نرخ بڑھ چکے ہیں، لیکن اگر نہیں بڑھے تو کتابوں کے۔ اس لیے کہ آپ میرے قاری ہیں، دوسروں کے قارئین ہوتے تو قیمت ساڑھے سات روپے ادا کر رہے ہوتے —

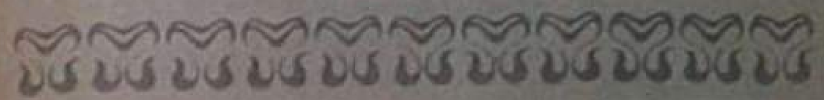
○ ان حالات میں بھی میں نے صرف اتنی جرأت کی ہے کہ آپ سے ووٹ طلب کر لوں۔ قیمت میں صرف پچاس پیسے کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں، آپ کا ووٹ ہاں میں ہے یا نہ میں —

○ کاپی سائز کے ایک کاغذ پر صرف اتنا لکھیں: "ووٹ ہاں میں ہے"۔ یا "ووٹ نہیں میں ہے"۔ ہاں والے ووٹ قیمت بڑھانے کے حق میں اور نہیں والے ووٹ نہ بڑھانے کے حق میں تصور کیے جائیں گے۔ اور پھر باقاعدہ گنتی ہوگی۔ پوری ایمان داری سے گنتی کے بعد جو بھی نتیجہ نکلا، آپ کو اس سے آگاہ کر دیا جائے گا —

امید ہے آپ ووٹ دیں گے —

لاہور

میں اشتیاق احمد کی کتابوں کے خریدار متوجہ ہوں



- اشتیاق پبلیکیشنز کا دفتر راجپوت مارکیٹ اردو بازار سے تبدیل ہو کر ۱۲/۹ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں، لاہور میں منتقل ہو گیا ہے ——
- دفتر کی تبدیلی کی وجہ سے مقامی خریدار اشتیاق پبلی کیشنز کی تمام نئی و پرانی کتب ہمارے شاکٹ رفیق مغل سے حاصل کریں —— شکریہ!
- دکان صبح ۱۰/۳۰ بجے سے شام ۶ بجے تک کھلی رہتی ہے ——



رفیق نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ ○ ہسپتال روڈ ○ لاہور



○ دیگر بڑے بڑے شہروں کی طرح ملتان میں بھی اشتیاق احمد کی کتب کی ایجنسی قائم کر دی گئی ہے ——

○ لائبریریوں و بک سٹال کے مالکان اور قارئین مندرجہ ذیل پتے سے نئی و پرانی کتب حاصل کریں:

۱۔ فرحت بک ایجنسی — معرفت حمد پرنٹنگ پریس، سرکلر روڈ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان (فون: ۳۲۳۴۱)

۲۔ سنی بکس —— بازار کتب فروشاں، اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان



○ کتب بر وقت نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رابطہ قائم کریں:



۱۲/۹ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں — لاہور

کوئی شکایت

● آپ کو اشتیاق پبلی کیشنز کے عملے سے کوئی شکایت تو نہیں —
● اگر ایسا ہے تو شکایت دفتر کے پتے کی بجائے میرے گھر کے پتے پر ارسال کریں —
● آپ کی ہر جائز شکایت کا ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا —
● ایک شکایتی خط ارسال فرما کر پندرہ دن انتظار کریں، کیونکہ کارروائی میں اتنا وقت لگ جاتا ہے —
● انعام کا نہ ملنا، وظیفے کا نہ ملنا، دفتر سے کتابیں خریدنے کی صورت میں کیش میمو کا نہ ملنا، عملے کا بدسلوکی سے پیش آنا، یا کتاب دیر سے نکال کر دینا — اس قسم کی تمام شکایات کے لیے پتا نوٹ فرمالیں :

اشتیاق احمد

بازار لوہاراں، جھنگ صدر

مسئلہ ختمِ نبوت

محمد رفیق ——— ۱۴/۳۷ داتا نگر، بادامی باغ لاہور

س : قادیانی ایک اللہ کو مانتے ہیں اور شرک نہیں کرتے — کیا ان کو کافر اور مشرک کہنا درست ہے ؟

ج : اللہ کے رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا — اور ان کی نبوت کے بعد کسی اور کو نبی ماننے والا مرتد ہے — مرتد کافر سے بھی بدتر ہے اور مشرک سے بھی —

س : پیدائشی قادیانی کو مرتد کہا جائے گا یا نہیں ؟

ج : جی نہیں — پیدائشی قادیانی مرتد نہیں، کافر ہے.

راشدہ آفاق ——— لیاقت آباد، کراچی

س : کیا قادیانیوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے ؟

ج : جی نہیں !

●

عبدالحفیظ خلیل ——— تیزاب احاطہ، بیلی کوٹھی ۳۲ جی ٹی روڈ، لاہور

س : حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو نشانیاں بتائی ہیں،

ان میں سے کتنی ظاہر ہو گئی ہیں ؟

ج : میری کتاب "قیامت کب آئے گی" پڑھ لیں ۔



عاطف وکیٹو والیانی ——— ۱۸/۲۸/ڈی - سی ناظم آباد، کراچی

س : ایک مسلمان کے نظریے سے فکرِ آخرت اور ایک قادیانی کے نظریے سے فکرِ آخرت کیا ہوگا ؟

ج : مسلمان قیامت کے دن حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے امید وار ہیں — جب کہ قادیانی مرزا غلام احمد کی، جب کہ وہ پہلے ہی جہنم میں جا چکا ہے ۔



بابر عباس ——— محلہ اسلام آباد، گلیانہ روڈ، کھاریاں

س : اگر کوئی شخص قادیانیوں میں شادی کرنا چاہے جب کہ لڑکی کے گھر والے بھی راضی ہوں تو پھر کیا کرنا چاہیے ؟

ج : نہیں کر سکتے ۔



محمد رمضان طاہر ——— بشیر لائبریری، دھجی روڈ، جھنگ صدر

س : انکل ! کیا فرقہ باطنیہ قادیانیوں کو کہتے ہیں ؟

ج : جی نہیں — یہ اور فرقہ ہے ۔



علی جان ——— حیدر لائبریری، کھتری چوک، تھلا روڈ، ہالا

س : کیا اسلام عورت کو حکمرانی کرنے اور غیر مردوں سے ہاتھ ملانے کی اجازت دیتا ہے ؟

ج : جی نہیں !



سہیل ——— سی - ۳۶، کمال آباد، راولپنڈی کینٹ

س : ہمارا ملک اسلامی ہے، لیکن پھر بھی مرتد لوگ یہاں باقاعدہ رہتے ہیں، آخر کیوں ؟ انہی مرتد لوگوں کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ جہاد کیا تھا، ہماری حکومت ایسا کیوں نہیں کرتی ؟

ج : دعا کریں —



محمد ہاشم رشید ——— ایف بی ایریا، کراچی

س : جب مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریز کے ایما پر مسلمانوں میں تفریق کرنے کے لیے ایک غلط مذہب کی بنیاد ڈالی تھی تو اس زمانے کے مسلم علمائے کرام نے اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کیا کوششیں کیں ؟

ج : ہر ممکن کوششیں کی گئیں، لیکن حکومت انگریز کی تھی — اس لیے ان کی کوششیں بار آور کم ہوئیں — انگریز کی پوری کوشش مرزا کو

کامیاب بنانے کی تھی۔

◓

پرنس بٹو دہلوی ___ اے ۶/۶۳ گرو چرن سٹریٹ، شام نگر، چوبرجی، لاہور

س: کیا اشد ضرورت پڑنے پر ہم کسی قادیانی سے مدد طلب کر سکتے ہیں؟

ج: صرف اور صرف اللہ سے۔

◓

محمد عمران ولد محمد اسماعیل ___

س: نماز میں اچھے برے خیالات آتے ہیں ـــ اس سے نماز ضائع تو نہیں ہوتی؟

ج: جی نہیں ـــ خود نماز میں کوئی خیال لانا، اس سے نماز نہیں ہو گی ـــ اپنی توجہ کسی طرف لگانا، اس سے نماز نہیں ہو گی ـــ اگر کوئی خیال ایسے ہی آ جائے تو اس سے نماز ضائع نہیں ہو گی۔

◓

عامر شہزاد ___ ساہیوال

س: ہمارے گھر سے کچھ فاصلے پر قائد اعظم سٹیڈیم ہے ـــ اس کی دیواروں پر قادیانیوں کے خلاف کچھ نعرے لکھے ہوئے ہیں ـــ کیا ایسا لکھنا جائز ہے؟

ج: جی ہاں! بالکل درست ہے ـــ ان کے خلاف جو کام بھی کر

سکیں، درست ہے۔

◓

رئیس عنایت اللہ ناصر ___ چوک ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان

س: مرزائی اور قادیانی ایک ہی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں یا دونوں الگ الگ ہیں؟

ج: ایک ہی فرقے کے نام ہیں۔

◓

نجمہ طاہرہ ___ سیال کوٹ

س: آپ جو مرزا غلام قادیانی کے جھوٹ لکھ رہے ہیں، ان میں میں بہت دل چسپی لے رہی ہوں۔ مہربانی فرما کر اس کا کوئی اور جھوٹ بیان کریں؟

ج: شکریہ ـــ بہت بہتر ـــ جتنے جھوٹ آپ کہیں لکھنے کے لیے تیار ہوں ـــ اس وقت ایک مزے دار جھوٹ ملاحظہ فرمائیں ـــ مرزا غلام احمد اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھتا ہے کہ اللہ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کے لیے ایک شخص مبعوث فرمائے گا جو اس کے دین کو تازہ کرے گا اور یہ بھی اہل سنت کے درمیان متفق طلب امر ہے کہ آخری مجدد اس اُمت کا مسیح موعود ہے ـــ جو آخری زمانے میں ظاہر ہو گا ـــ اب تنقیح طلب امر یہ ہے کہ یہ آخری زمانہ ہے یا نہیں؛ یہود

اور نصاریٰ دونوں قومیں اس پر اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ آخری زمانہ ہے ، اگر چاہو تو پوچھ لو ــــ

مرزا کے اپنے الفاظ آپ نے ملاحظہ فرمائیے ــــ وہ یہ کہتا ہے کہ آخری مجدد مسیح موعود ہوگا جو آخری صدی میں آئے گا اور چوں کہ چودھویں صدی آخری صدی ہے ، کیوں یہود اور نصاریٰ یہی کہتے ہیں ، تو میں ہی وہ آخری مسیح موعود ہوں ــــ

اب مشکل یہ ہے کہ چودھویں کے بعد پندرھویں صدی شروع ہو چکی ہے ــــ یعنی اس صدی کا مجدد کوئی اور آئے گا ــــ لہٰذا مرزا مسیح موعود نہیں تھا ــــ وہ تو آخری صدی کا مجدد ہوگا ــــ اور آخری صدی کون سی ہو گی ــــ کسی کو معلوم نہیں سوائے اللہ کے ــــ

مطلب یہ کہ مرزا کورا جھوٹا تھا ــــ

بے پتا خطوط

نوٹ : مندرجہ ذیل قارئین نے اپنے خطوط میں اپنا پتا نہیں لکھا ، لہٰذا انھیں جواب نہیں دیا جا سکا ۔ (ادارہ)

نام	شہر	نام	شہر
ماریہ ملک	جہلم	ناز پروین	فیصل آباد
عالیہ ناز	ــــ	کامران سعید	ــــ
موبینہ احمد	ــــ	مبین احمد	ــــ
برہان الدین	فیصل آباد	وسیم اختر نومی	فیصل آباد
محمد سرور	راولپنڈی	محمد عمر فاروق	بہاول نگر
روی چند	ــــ	علی رضا	لاہور
نجمہ فرہاج	فیصل آباد	ا - ج - س	کراچی
محمد اقبال	ڈسکہ	عماد نذیر	ــــ
ایاز احمد	ــــ	محمد رفیق	کراچی
وسیم عباس	ــــ	فرحت شاہین	ــــ
وقار منظور	ــــ	کاشف علی	ــــ
یونس اقبال	ــــ	نعمان یوسف	ــــ

نام	شہر	نام	شہر
صمد	چنیوٹ	عبدالمتین	کراچی
مریم نواز	———	منیر احمد کیانی	———
عادل انوار	———	خاور	———
عمران یونس	———	سلمان احمد	———
اقبال محمود	———	محمد الطاف	کراچی
وسیم ملک	———	شعیب احمد	———
سید سلطان محمود حسین شاہ	لاہور	وقاص احمد	———
اکبر خان	———	عمران	اسلام آباد
ناصر محمود	کراچی	انیلا مشتاق	لاہور
شاہد محمود بٹ	———	ارشد حسین	———
محمد اقبال	———	ناصر محمود	———
شبیر	———	سنتوش کمار	پچھ
ریحان قیوم	———	عبد اللہ ملک	———
حمید اللہ ملک	———	عاطف نسیم رانا	———
سمان	پشاور	وسیم سجاد	گوجرانوالہ
محمد وسیم خان	کراچی ۵	طارق مرزا	———
عبدالوحید قریشی	———	صادق علی	———
عطاء اللہ	کراچی ۱۸	طارق عزیز	پشاور



مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول

اس ماہ کے ناول

نمبر	ناول	سیریز	قیمت
۱۵۲	سی سون	(انسپکٹر جمشید سیریز)	-/۶ روپے
۱۵۳	لڑکی کا چہرہ	(" " ")	-/۶ "
۵۰	انسانی شکار	(انسپکٹر کامران مرزا سیریز)	-/۶ "
۲۰	اُلٹا کیس	(شوکی سیریز)	-/۶ "
۱۱	زہریلا لٹریچر	(انسپکٹر ارسلان سیریز)	-/۶ "
۲۹	نیلا پھول	(انسپکٹر نوید سیریز)	-/۶ "

آئندہ ماہ کے ناول

نمبر	ناول	سیریز	قیمت
۱۵۴	مقدس آگ	(انسپکٹر جمشید سیریز)	-/۶ روپے
۱۵۵	سابونی کے غلام	(" " ")	-/۶ "
۵۱	اپنا شکنجہ	(انسپکٹر کامران مرزا سیریز)	-/۶ "
۲۱	پستول کا جال	(شوکی سیریز)	-/۶ "
۱۲	راجال	(انسپکٹر ارسلان سیریز)	-/۶ "
۳۰	سرغنہ	(انسپکٹر نوید سیریز)	-/۶ "

اشتیاق پبلی کیشنز
۱۲/۹ نصیر آباد مسلم پورہ سانده کلاں لاہور